

”یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت
 اترپردیش (لکھنؤ) کے مالی تعاون سے
 شائع ہوئی۔“

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

تاریخ و سن اشاعت ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ء

تعداد اشاعت (۶۰۰)

کتابت شفیق اقبال

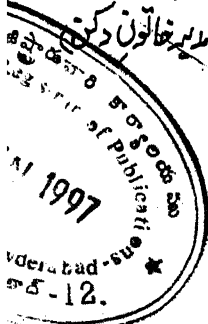
قیمت ۵۰ روپے

طباعت اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد

ڈیزائن پرنٹنگ اعجاز پرنٹنگ پریس، حیدرآباد

ناشر صلاح الدین نیئر

ترتیب و تزئین صالح الطاف (مدیر خاتون دکن)



✽ ملنے کے پتے ✽

✽ حامی بک ڈپو — مچھلی کمان، حیدرآباد ۲-۵۰۰۰۵

✽ مصنف — ۸۲۴/۷-۳-۱۱، نیو ملے پٹی، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۵

فون نمبر 228802

اِفْتِسَابُ

اپنی ایک بے نام منہ بولی بہن کے نام
جس نے سمجھی میرے لئے یہ نظم کہی تھی —

سلسلہ پھولوں کا

وہ تو حیران ہیں کہتے ہیں کیسے ؟

کہاں کھو گئے ایسے پیارے لوگ
کیا سے کیا ہو گئے ایسے پیارے لوگ
اب کہاں رہ گئے ایسے پیارے لوگ
جو پاس بھی ہیں اور پاس نہیں

جب پھولوں کے سلسلے کا نذرانہ ملا
دل بیٹھ سا گیا

اس کے ورق پر پھول تھے نہ کاغذ

نہ کلیاں نہ ٹہنیاں

کیا سے کیا ہو گیا

پھر بھی اک سڑی ایک سلسلہ سا تھا اور سلسلہ ہے

ہمیشہ رہے گا مٹل تازہ کی طرح بہن کے لئے !

میرے بھیا! آپ نے مجھے پر دیں جاتے سے
مٹل تازہ کے اور جاتے سے
پھولوں کے دیں جاتے سے

کئی طرح کے پھولوں کا ور دان دیا تھا

ایک انمول سی گھڑی گزر گئی

بھائی نے پیار سے لیرینہ

شفقت میں لپٹا ہوا بھاری ہاتھ

میرے سر پہ رکھا

میں نے یہ محسوس کیا تھا جیسے میرا سر بہت بلند ہو گیا ہے

میرے سر پہ جیسے قرآن رکھ دیا ہے۔ ایمان رکھ دیا ہے

اُسی سر کو بلند کرتے ہوئے آج میں غفلت چھوڑ کر

جی رہا ہوں

میں ہوں ناہید سحر جس کی شب کبھی نہیں ہوتی

ترتیب و ترتیب

پیش لفظ (کیا جائے) ڈاکٹر علی احمد جلیلی ۷ خزلیں —

اپنی بات — مصنف ۱۰ ایسا تو نہیں ہے کہ کئی تر نہیں دیکھا ۲۹

محمد ماری تعالیٰ — قدم قدم پہ ہے کیوں میرا تعالیٰ ۱۳ ہمارے سامنے قاتل ہے کیا کیا جائے ۳۰

نعت شریف — آزل سے میری طبیعت قلندرانہ ہے ۱۵ آج انجم ہیں تو کیا کل تکشاں ہو جائیں گے ۳۱

جس دن سے مدینے کی میں پہچان بنا ہوں ۱۶ ایک دن آئے گا ایسا بھی کرشمہ ہو گا ۳۲

نظر ملاؤں گا اب دیدہ و زلمے سے ۱۷ کب تلک دیوار بن کر تم نہ ہو گے درمیاں ۳۳

بلندیوں سے بھی آگے نگاہ جاتی ہے ۱۸ ہیں زخم زخم لوگ، بلا کر تو دیکھئے ۳۴

پیش نگاہ جسے کہ آفاقی ذات ہے ۱۹ ذہن و فکر کو میرے کس نے یہ رسائی دی ۳۵

لکھ رہا ہوں نعت پلکوں پہ نئی آنے کو ہے ۲۰ مہاجر دوں کے جھیس میں یہاں پہ کون آگیا ۳۶

تم جانتے ہیں عشق محمد میں کیا ملا ۲۱ کون جانے لگتے آنسو نذر پیمانہ ہوئے ۳۷

باغیم تم یہاں چلے آنا دیکھئے ۲۲ یہ جیسا بھی ہے میرا آئینہ ہے ۳۸

سنگ رسول بنیں اختیار اپنا ہے ۲۳ وہ لوگ جن پہ ہے برسوں سے اعتبار مجھے ۳۹

ردائے اشک لئے آستان پہ آؤں گا ۲۴ میں چاہتا تھا رفیقوں کو اپنے سمجھانا ۴۰

پچھلے پہر جو روتا ہو گا ۲۵ بچھلے پہر جو روتا ہو گا ۴۱

گھر ہو گا بے چراغ نہ اُس نشہ کام کا ۲۵ مصلحت کو ش تھے تم، دل میں چھپا رکھی تھی ۴۲

رمضان شریف — میں کچھ نہ تھا خدا نے بہت کچھ دیا مجھے ۴۳

رحمت فرماؤ عظیم ساعیتیں ماہِ صیام کی ۴۴ کیا جانے اب کے رُت یہاں کیا کام کر گئی ۴۴

عید الفطر — دامن ہے کہیں تر تو کہیں دیدہ خم ہے ۴۵

یہ عید ہے یہ مسرت نواز ہے ۴۶ احباب اپنے کتنے ہی خالوں میں بٹ گئے ۴۶

نظمیں —

۱۰۲	مشاعرہ	۴۷	کہاں ہے وہ لوگ (عید آباد)
۱۰۳	وہ ایک شخص	۵۳	جامعہ عثمانیہ
۱۰۴	دلیہ الی	۵۷	وہ درسگاہیں
۱۰۵	ایک ایسا پھول بھی تھا	۶۰	روشنی ملتی کہاں ہے؟
۱۰۶	عید کی صوغات	۶۳	سوال یہ نہیں اس چشمِ تم کی حد کہاں؟
۱۰۷	نواب بہادر یار جنگ بہادر	۶۷	ایساں کیوں ہم نے کیا؟
۱۱۱	وصیت (عابد علی خان)	۷۱	وطن فروش
۱۱۵	زمین پر رہتا تھا وہ شخص آسمان کی طرح	۷۵	ایک سچا آدمی
	(عابد علی خان)	۷۸	میرا کتبہ
۱۱۶	خراجِ عقیدت (عابد علی خان)		کہاں ہے وہ؟
۱۱۷	کتبہ کے اشعار	۸۵	دشمنِ غم جیسے کہتی ہے دنیا
۱۲۰	گاندھی جی	۹۰	سلسلہ
۱۹۴	اندیشہ	۹۱	ملبہ
۱۲۹	شرابِ بندگی پر متفرق شعر	۹۲	بارانِ رحمت
	فقوی اگیت	۹۴	نئے سال پر شعر
۱۳۲	پھولوں کی داستان ہے ہندوستان ہمارا	۹۵	ستارہ دگی
۱۳۴	میرے پیارے وطن میرے ہندوستان	۹۸	آنکھوں میں پہلا پھول
۱۳۶	نارنگ فردوسِ ہندوستان	۹۹	امدادی
۱۳۸	ہم کو پیارا اپنا وطن ہے	۱۰۰	غیر مقدم
۱۴۰	مجھے بہت عزیز ہے مرادِ وطن مرادِ وطن	۱۰۱	کردار ہمارا
۱۴۲	متفرق اشعار		
۱۵۲			



صلاح الدين نَيْر

پیش لفظ کیا کیا جائے

آج کے شاعروں میں جن شعراء کو لائق ذکر و قابلِ اعتناء سمجھا جاتا ہے ان میں صلاح الدین نیر کا نام ایک خاص امتیاز اور نمایاں پہچان رکھتا ہے۔ شاعر ہونے کے علاوہ ان کی شخصیت بھی بہت سی صفات اور خوبیوں سے عبارت ہے۔ شاعری اور شخصیت کے امتزاج نے انہیں غیر معمولی مقبولیت بخشی ہے اور وہ اسکے مستحق بھی ہیں۔ یوں تو ان کے ادبی سرمایہ میں کئی شعری مجموعے ہیں لیکن زیرِ نظر مجموعہ ”کیا کیا جائے“ کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ ایک غزل گو کو نظم گو شاعر کی حیثیت سے متعارف کرتا ہے۔ یہ نظمیں اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ شاعر نے نظم نگاری میں بھی اپنا برابر کا زور قائم کر لیا ہے۔ مجموعہ کلام کا آغاز حمدِ یاریِ تعالیٰ کے بعد نعتِ شریف سے ہوتا ہے جن میں نیرؒ سراپا نیاز بن کر حضورِ اکرمؐ کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نئے آہنگ کے ساتھ بچھا کر دے ہیں۔ پھر دامنِ غزلوں کے بعد نظموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

صلاح الدین نیر کی غزلوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے پھر بھی میں یہ کہنا چاہوں گا کہ بہت کم شاعر ایسے ہیں جن کا ہر شے روایت، تہذیب اور زبان و ادب سے بھی گہرا ہو اور اس کے باوجود شاعر نے آزاد روش کی قدروں سے بھی استفادہ کیا ہو۔ غزلوں میں جہاں انہوں نے عصری حسیت سے بھی ہم آہنگ ہونے کا ثبوت دیا

ہے وہاں ماضی سے اپنا رشتہ توڑ کر خود کو اپنے عہد کے حوالے نہیں کیا ہے۔ ایسے شعر پڑھنے کو مل جاتے ہیں جن میں معنویت کی دلکشی بھی ہے اور حسنِ بیان کی دل آویزی بھی۔

عند لوں کے بعد جب میں جنابِ نیر کی نظموں پر نظر ڈالتا ہوں تو ان میں بھی غزلوں کا سارس پاتا ہوں۔ نظم اور دو شاعری میں غزل سے ہٹتی نہیں، نظم بنیادی طور پر تاثر یا جذبے کے تجزیاتی مطالعہ کا ایک وسیلہ ہے۔ غزل کی امتیازی خصوصیت تجزیاتی مطالعہ نہیں بلکہ اجتماعی محاکمہ ہے۔ غزل اپنی بنیادی صفت رومانیت اور پھر سماجی روابط اور اجتماعی کیفیات کا نقیب افلاہی ہے۔ جبکہ نظم انفرادی جذبہ اور فکر کی کیفیات کو سامنے لاتی ہے۔

یہ نظمیں موضوعاتی اعتبار سے متنوع ہیں۔ شخصی بھی ہیں ذاتی و نجی بھی۔ قومی و وطنی بھی ہیں سماجی و اخلاقی بھی۔ یہ موضوعات عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عنوانات روایتی ضرور ہیں لیکن انہماک کے سلسلے نے ان کو جاندار بنا دیا ہے۔ داخلی طور پر ان نظموں میں وطن کی عظمت اور اسکے ماضی کی سنہری تصویریں بھی ہیں۔ وقت ساز شخصیتوں سے عقیدت کا اظہار بھی اور آج کے انسان کی محرومی اور شکست خوردگی بھی۔ یہ نظمیں ایک ہی سر زمینوں کا سفر نہیں بلکہ ایسی جانی پہچانی رہگزاروں کا سفر ہے جن میں کہیں گرم کوہ ہے تو کہیں شبنم و صبا کی عطر بیزی بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیر صاحب نے اپنے قلبی واردات کے اظہار کے لئے نظموں کا سہارا لیا ہے۔

جہاں تک نظموں کی ہئیت کا سوال ہے صلاح الدین نیر نے دو فارم استعمال کئے ہیں۔ پابند نظموں کو بھی برتا ہے اور آزاد نظم کے فارم سے بھی کام لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آزاد نظم اور مصنفی شاعری کے خلاف جس آزاد نظم کو کہیں مسترد کیا جاتا رہا وہ آج نظم کی دنیا کا سکہ رائج ہے جس میں قافیہ کی رکاوٹ کے بغیر با وزن بات کہی جاسکتی ہے۔

اس مجموعہ کے شاعر نے آزاد نظم کی ٹکنیک کو ضبط و احتیاط کے ساتھ برتا ہے۔

آزاد نظموں کے مقابلہ میں پابند نظموں کی تعداد زیادہ ہے کیونکہ جناب نیر کو اس بات کا احساس ہے کہ پابند نظموں میں قافیہ اور ردیف کی جھنکار سے نہ صرف موسیقیت پیدا ہوتی ہے بلکہ نظم کی داخلی وحدت کو ہنیت کی خارجی وحدت بھی حاصل ہوتی ہے۔ آج اگرچہ نئی نظم کا دشمن بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اسلوب پر بھی کئی تہیں چڑھ گئی ہیں لیکن جناب نیر نے حسن بیان اور سخن کی تازگی سے ہم آہنگ کر کے بڑی حد تک اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔

حرفِ آخر یہ کہ اس ”کیا کیا جائے“ مجموعہ میں مشاہیرِ غزلیں اور نظمیں محسوسا، مشاہدات، تجربات اور جذبات کے تراشے ہوئے بڑے خوبصورت پیکر ہیں جو اسلوب اور فکر کی ایک خوشگوار ہم آہنگی کا احساس دلاتی ہیں۔ نیر پورے حوصلے کے ساتھ اس سفر میں بڑی تیز گامی سے رواں دواں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس مجموعہ کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ ان کے فکر و فن کی خوشبو ”گل تازہ“ کی طرح ہر طرف پھیل کر علم و فن کے قدر دانوں اور شعرو سخن کے پرستانوں کے مشامِ جاں کو معطر کرتی رہے گی۔

ڈاکٹر علی احمد جلیلی

۱۵ دسمبر ۱۹۹۶ء

”جلیل منزل“ نور خاں بازار - حیدرآباد۔

اپنی بات

”کیا کیا جاوے“ میرا نواں مجموعہ کلام ہے۔ پہلا مجموعہ کلام ”گل تازہ“ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ ”گل تازہ“ کے بعد ”زعموں کے گلاب“ ۱۹۷۲ء میں ”غنیم تراش“ ۱۹۷۸ء، ”شکن در شکن“ ۱۹۷۹ء، ”خوشبو کا سفر“ ۱۹۸۳ء اور ”رشتوں کی ہلک“ ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئے۔ میری منتخب غزلوں کا (۳۵۶) صفحات پر مشتمل مجموعہ ”سفر جاری ہے“ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ جس میں غیر مطبوعہ غزلوں کے علاوہ پچھلے شعری مجموعوں میں شامل منتخب کلام شامل ہے۔ ۱۹۹۰ء میں منتخب نظموں کا ضخیم مجموعہ (۳۹۲ صفحات) ”یہ کیسا رشتہ ہے“ شائع ہوا۔ اس مجموعہ کلام میں بھی غیر مطبوعہ نظموں کے علاوہ دوسرے شعری مجموعوں میں شامل منتخب نظمیں شریک ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں ”نہر گیتا لو“ کے نام سے ”گل تازہ“ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ ”تلگو“ اور دو شعراء ادیب جناب میرالال موریہ کی نگرانی میں زیر اہتمام سادہ نگار پریشد کھنم شائع ہوا۔ عظمت ”عبدالقیوم۔ فن اور شخصیت“ ۱۹۸۸ء میں اور ”عظمت خیاباں“ (عظمت عبدالقیوم کے مضامین، افسانے، شاعری) ۱۹۸۹ء ترتیب دیئے گئے۔ ۱۹۹۲ء میں ”سلسلہ پھولوں کا“ (خود نوشتہ سوانح ۱۹۹۳ء میں ”پھر وہی پرچھائیاں“ (ادبی مضامین، تبصرے، خاکے، سفرنامے) ۱۹۹۳ء میں المیہ تحریریں شائع ہوئیں۔ ”صلاح الدین نیر۔ فن اور شخصیت“ کے زیر عنوان ممتاز دانشوروں کی تحریروں پر مشتمل کتاب ”قافلہ چلتا رہے گا“ ۱۹۹۲ء میں شائع

ہوئی جس کو ممتاز ادیبہ صالحہ الطاف (مدیر خاتونِ دکن) اور ڈاکٹر صابرہ سعید لکچرار
 اردو سلطان العلوم کالج آف ایجوکیشن نے ترتیب دیا ہے۔ نومبر ۱۹۹۲ء میں جناب
 قمر الدین صابری ایڈیٹر ماہنامہ ”شاداب“ نے یہ تعاون جوائنٹ ایڈیٹر جناب مومن خاں شوق
 ”صلاح الدین نیئر۔ فن اور شخصیت“ کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا۔

”کیا کیا جائے“، مجموعہ کلام کو بھی شامل کرتے ہوئے (۹) شعری مجموعے،
 (۵) نثری کتابیں اور مجھ سے متعلق رس کتابیں اس طرح (۱۷) کتابیں شائع ہوئیں۔
 ساحال میں نے زائد از (۵۰) کتابیں اپنے زیرِ نگرانی شائع کروائی ہیں۔ ایک اور نثری
 کتاب جو میر کے ادبی مضامین، تبصروں اور خاکوں پر مشتمل ہے زیرِ مرتب ہے۔
 مجموعہ کلام ”کیا کیا جائے“ (یہ کیسا رشتہ ہے) ۱۹۹۰ء کے بعد شائع ہو رہا ہے جس
 کی اشاعت کے لئے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ حکومت اتر پردیش نے جزی
 اعانت کی ہے۔

۱۵۲ صفحات پر مشتمل کتاب میں ایک حمد باری تعالیٰ، ۱۱، نعت شریف، ایک سلام
 ۱۸، غزلیں، ۳۲ نظمیں، شرابِ بندہ پر ۳ اشعار، ۵ قوی گیت، ۲۷ متفرق اشعار شامل ہیں۔
 میری ہر کتاب کے لئے بعض ممتاز دانشوروں نے اپنی تحریروں سے نوازا ہے۔ میری خواہش
 پر اس کتاب کے لئے ممتاز شاعر و نقاد ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے پیش لفظ لکھا ہے۔

اس کتاب کو میں نے اپنی ایک غزلیہ ترین بہن..... کے نام معنون کیا ہے۔ میری
 ایک اور بہن ممتاز ادیبہ صالحہ الطاف (مدیر خاتونِ دکن) نے میری بعض کتابوں کی طرح
 اس کتاب کی بھی ترتیب و ترتین اپنے ذمہ لی ہے۔ میں اپنی بہن کا کیا شکریہ ادا
 کر سکتا ہوں۔ وہ مجھ پر ہمیشہ ہی مہربان رہی ہیں۔ میں اُن تمام دانشورانی شعرو
 ادب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے شعرو ادب کے راستوں پر میرے پیڑھے ہوئے قدموں
 کو ہمیشہ سہارا دیا۔

میں اپنے بہترین دوست ممتاز شاعر جناب شیخ اقبال کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے نہایت عمدگی کے ساتھ بیابندی وقت کما بیت کی۔

اُستاد المحترم پروفیسر سید محمد کے نیک خو، نیک صفت، نیک سیرت و صورت قابل اعتبار، پابند وعدہ، سبک خرام، نرم گفتار، معاملہ فہم، شائستہ، معتبر و با وقار نور چشم (مالک اعجاز پریس) غزنی سید نور محمد کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نہ صرف میری کتابوں بلکہ میرے توسط سے شائع ہونے والی کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں بھی نہایت ذمہ داری کے ساتھ تعاون کیا کرتے ہیں۔

فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اُتر پردیش لکھنؤ کا بھی شکر گزار ہوں کہ میرے مسودہ شاعری کو اشاعت کے لئے منظور کرتے ہوئے مناسب گرانٹ سے نوازا۔

میں اُن تمام قارئین و سامعین سے بھی اظہارِ تشکر کرنا چاہوں گا جو مسلسل زائد ۳۰ برس سے میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ آخر میں اُن تمام سرپرستوں دوستوں اور بھی خواہوں گا بھی ممنون ہوں جو مجھے شعری سفر کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔

شکریہ کی فہرست میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو میرے اوراقِ دل پر ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔

صلاح الدین نیر

ہرڈسمبر ”کھکشاں“، ملے پلی۔



قدم قدم پہ پہ کیوں میرا امتحاں یارب
زمین ہوں تو بنا مجھ کو آسماں یارب

ہر ایک گھر کے لئے روشنی کروں تقسیم
اتار دے مرے آنکھ میں کہکشاں یارب

نگاہ ٹھہری ہے جا کر بہت بلندی پر
بہت دلوں سے ہے تو مجھ پہ مہرباں یارب

ہر ایک گام پہ باقی رہے مری پہچان
تو جس کو چاہے بنا میرے کارواں یارب

جہاں کہیں بھی ہو اپنی پناہ میں رکھنا
بھٹکتا رہتا ہے انسان کہاں کہاں یارب

سکھا دے سب کو تو آداب گفتگو کا ہنر
بہت سے لوگ ہیں محفل میں بے زباں یارب

میں آئینہ کی طرح اپنے دوستوں میں ہوں
کوئی بھی دوست نہ ہو مجھ سے بدگماں یا رب

زمانے بھر کی ہمیں دھوپ نے جلایا ہے
ہمارے سر کے لئے بھی ہو اُنساں یا رب

میں اپنے آپ کو سب سے چھپائے رکھتا ہوں
تیرے سوا ہے مرا کون راز داں یا رب

یہ روشنی مرے پیر کھوں کا اک تسلسل ہے
اسی طرح رہے آباد یہہ مکاں یا رب

بھرم اسی سے ہے باقی مرے قبیلے کا
رہے یہ قافلہ یوں ہی رواں دواں یا رب

میں ڈھونڈ لایا ہوں تیرے کو کتنی مشکل سے
اب اس کے بعد نہ لے میرا امتحاں یا رب

نعت شریف

ازل سے میری طبیعت قلندرانہ ہے
 میں جانتا ہوں کہاں مجھ کو سر جھکا نا ہے
 کہیں بھی پیش کیا جاؤں میں بہ روزِ حساب
 مجھے تو آپ کے دامن میں مٹنے چھپانا ہے
 کہاں تلک یوں ہی بھٹگو گے آؤ بل کے چلیں
 بہت قریب فقیروں کا آستانہ ہے
 ہمیشہ رہتا ہوں میں بوریہ نشینوں میں
 اسی لئے تو نظر میری خسروانہ ہے
 بسا ہے اس لئے آنکھوں میں گنبدِ خضرا
 مذاقِ خوش نظر میری میرا صوفیانہ ہے
 یہ وہ جگہ ہے کہ اٹھنے کو جی نہیں کہتا
 درِ حبیب کا منظر بڑا سہانا ہے
 نبیؐ کے در سے میں جاؤں گا اب کہاں نیر
 فقیر زادوں کا یہ آخری ٹھکانہ ہے

نعت شریف

○

جس دن سے مدینے کی میں پہچان بنا ہوں

اُس روز سے میں اور بلندی پہ کھڑا ہوں

آنکھوں میں لئے حسرتِ دیدارِ محمدؐ

میں اکب سے مدینے کی طرف دیکھ رہا ہوں

پتھر کی طرح شہروں میں پھرتا رہا برسوں

جب پہونچا مدینہ تو میں آئینہ بنا ہوں

سب اُمّتی اُمیدِ شفاعت میں کھڑے ہیں

میں دستِ مبارک کی طرف دیکھ رہا ہوں

یہ بھی تو مری عرشِ نگاہی کی ہے معراج

اک عمر سے میں آپ کے قدموں میں پڑا ہوں

کچھ بات ہی ایسی ہے نظر اٹھ نہیں سکتی

میں سر کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑا ہوں

تہذیبِ نظر کس کو عطا ہوتی ہے نیر

دریائے رسالت میں میں اب جلنے لگا ہوں

○

نعت شریف

نظر ملاؤں کا اب دیدہ ور زمانے سے
 میں آگیا ہوں محسوس کے آستانے سے
 مرے خدا تو مجھے مستقل مزاجی دے
 مقابلہ ہے مرا بے وفا زمانے سے
 کسی طرح مجھے باطل پہ فتح پانا ہے
 نہ باز آؤں گا میں کشتیاں جلانے سے
 مجھے تو یوں بھی حفاظت کا حق پہنچتا ہے
 بہت قریب ہے مسجد غریب خانے سے
 ہے عارضی یہ غلامی تو مستقل کچھ
 قدیم رشتہ ہے سادات کے گھرانے سے
 بس ایک بار زیارت کا دیجئے موقع
 پڑا رہوں گا میں درویشی بہانے سے
 نگاہ عرش سے آگے نکل گئی نیست
 رسول پاکؐ کے قدموں میں سر جھکانے سے

نعت شریف

بلند یوں سے بھی آگے نگاہ جاتی ہے
 آنا جب آپ کے قدموں میں سر جھکاتی ہے
 پھر اس کے بعد کسی شے پہ اٹھ نہیں سکتی
 نگاہ جب درِ آقا کو چھو کے آتی ہے
 میں اس یقین سے بیٹھا ہوں مطمئن ہو کر
 سواری آپ کی اکثر ادھر سے جاتی ہے
 ادھر ہے خانہ کعبہ ادھر دیارِ رسولؐ
 کہاں پہ دیکھئے تقدیر لے کے جاتی ہے
 پکھرنے لگتی ہیں شام و سحر کی زنجیریں
 یہ دنیا جب بھی فقیروں کو آزماتی ہے
 غزل سے پہلے میں لکھتا ہوں جب بھی نعتِ رسولؐ
 نبیؐ کی خوشبو مرے دل میں گھر بناتی ہے
 طوافِ خانہ کعبہ کے بعد ہی تیسرے
 نظر ہماری مدینے کی سمت جاتی ہے

نعت شریف

پیشِ نگاہِ جب سے کہ آقا کی ذات ہے
 زیرِ اثرِ زمین نہیں، کل کائنات ہے
 کب جانے میں نے کی تھی مدینے کی آرزو
 روشن ابھی تلک مری شمعِ حیات ہے
 مکتب میں صوفیوں کے سکھایا گیا ہی
 ذکرِ رسول کے لئے دن ہے نہ رات ہے
 کچھ سوچ کے خمیر نے یہ فصد کیا
 دامنِ مصطفیٰؐ ہی میں اپنی نجات ہے
 لوٹا ہوں جب سے روضہٴ اقدس کو دیکھ کر
 دل میں تجلیات کی اک کائنات ہے
 ہم جیسے بے سہاروں کو تیرے روزِ حشر
 دامن میں لینے والی وہی ایک ذات ہے

نعت شریف

لکھ رہا ہوں نعت پلکوں پر نہی آنے کو ہے
دامن عصیاں بھی اس کے ساتھ ڈھل جائے کو ہے

کو چہ شرب سے پھر ٹھنڈی ہوا آنے کو ہے
خانہ دل کے ہر اک گوشے کو چمکانے کو ہے

آنکھوں آنکھوں میں جہاں ہوتے تھے سارے فیصلے
سرزمین پاک ایسی اب نظر آنے کو ہے

ایک مدت سے دعاؤں پر رُکی ہے زندگی
عظمتِ رفتہ یقیناً لوٹ کر آنے کو ہے

ایسا اک احساس جو اب تک گنہ گاروں میں تھا
سر جھکائے در پہ آقا کے ٹھہر جانے کو ہے

جس کی خاطر ایک لمبی عمر آنکھوں میں کٹی
دل پہ کہتا ہے کہ وہ منزل قریب آنے کو ہے

دہر میں اب عام ہو جائے گا فیضانِ رسولؐ
وقت اک ایسا بھی نہیں آجلا ہی آنے کو ہے

نعت شریف



ہم جانتے ہیں عشقِ محمدؐ میں کیا ملا
 عرشِ بریں کو چھوئے کا اک حوصلہ ملا
 سو بار چومنے کی سعادت ملی مجھے
 جب عالمِ خیال میں دستِ عطا ملا
 سب کچھ ہے میرے ہر پہ پہ پڑھ کر تو دیکھے
 کیوں پوچھتے ہو کو چہ آفتا میں کیا ملا
 عصیاں نصیب لوگوں کی دنیا بدل گئی
 رحمتِ نواز لمحوں سے جب سلسلہ ملا
 سوتا رہوں گا صبر کی چادر کو اوڑھ کر
 میں کیا کہوں کہ ایسا ہی درسِ وفا ملا
 اہلِ خرد کو چھوڑے وہ کیا بتائیں گے
 آقا کے درس سے پوچھتے تیر کو کیا ملا

نعت شریف

با چشمِ نم یہاں پہ چلے آنا دیکھئے
در بارِ مصطفیٰؐ ہے فقیرانہ دیکھئے

مت پوچھیئے کہ کیا ہے یہ اسرارِ بے خودی
کس حال میں ہے اب دلِ دیوانہ دیکھئے

آقا کے دردِ سر میں جھکانے کھڑا تو ہوں
لبریز ہو گا کب مرا پسیمانہ دیکھئے

گر جاننا ہے خاک نشینوں کا مرتبہ
مسنڈ پہ رہ کے رنگِ فقیرانہ دیکھئے

نشہ ہی اور ہوتا ہے حبِ رسولؐ کا
روشن ہے اُن کے نور سے کاشانہ دیکھئے

جلتار ہا ہے کب سے بصیرت کی آگ میں
شمعِ رسولؐ پاک کا پروانہ دیکھئے

مہکی ہوئی ہے کب سے قلندر کی سرزمین
نیشہ کی کیا ہے شانِ فقیرانہ دیکھئے

نعت شریف

سگ رسول بنیں، اختیار اپنا ہے
 جہاں کہیں بھی رہیں، اختیار اپنا ہے
 پہنچ ہے اس لئے عرش بریں تک اپنی
 نبیؐ کے قدموں میں رہنا شعار اپنا ہے
 یقین بڑھنے لگا ہے بلاد آئے گا
 بڑے زمانے سے دل بے قرار اپنا ہے
 مدینہ حاکے بھلا کون کوٹ آئے گا
 کوئی بتائے کیسے اختیار اپنا ہے
 نبیؐ کی گلیوں میں اس طرح لگ گیا ہے دل
 تمام عمر کٹی انتظار اپنا ہے
 نہ ہم گوڑھونڈیئے گا پھر سے شہر یاروں میں
 غلامِ سرور دیں میں شمار اپنا ہے
 مکرّم نبیؐ کا نہیں ہے تو کیا ہے یہ نیر
 دیارِ غیر میں بھی اقتدار اپنا ہے

فحّت شریف

ردائے اشک لئے آستانِ یہ آؤں گا
 یہاں نہیں تو میں کہاں یہ جاؤں گا
 بہ چشمِ نم درِ آفتابِ آگیا ہوں مگر
 نیاز و ناز کی منزل ہے سر جھکاؤں گا
 خُدا ہی جانے کہ روزِ حساب کیا ہوگا
 وہاں بھی آپ کے قدموں میں بیٹھ جاؤں گا
 قلمِ درِی کے سوا اور کیل ہے میرے پاس
 میں اب کی بار بھی اشکوں کے پھول لاؤں گا
 مسائلِ اتنے ہیں آقا! تھکن زیادہ ہے
 چنگِ بلی تو میں قدموں میں بیٹھ جاؤں گا
 نظریں روضۂ اقدس ہے لبِ یہ ذکرِ رسول
 اسی خزانہ کو نسیۂ! میں ساتھ لاؤں گا

سَلام

گھر ہو گا بے چراغ نہ اُس تشنہ کام کا
 ہے جس کو عِلمِ آلِ نبی کے مقام کا
 بکھرے ہوئے فرات پہ تھے روشنی کے پھول
 جب چہرہ زخمِ رخم تھا ماہِ تمام کا
 اب بھی حسینؑ زندہ ہیں صدیوں کے بعد بھی
 یہ محبِ زندہ ہے مومنو! حُسنِ دوام کا
 تھا ہر جگہ یہ سہا ہوا شکرِ نرید
 وہ دیدہ تھا جنگ میں سیکرِ امام کا
 خوشبو جب آئی تشنہ لبوں کی تلاش میں
 چہرہ لہو لہان تھا کوئے کی شام کا
 آتا ہے کب یونہی لب و لہجہ میں یہ اثر
 فیضان ہے نئی کے نوا سوں کے نام کا
 کاسہ بہ دست کب سے میں نیر کھڑا تو ہوں
 کچھ تو جواب آئے گا

رمضان شریف



رحمت فراتھیں ساعتیں ماہِ صیام کی
 شام و سحر تھیں رو نقتیں ماہِ صیام کی
 اک نور جیسے ہر کسی چہرے پہ تھا عیاں
 کیا کیا رہیں، عنایتیں ماہِ صیام کی
 سوچو تو روزہ داروں کو کیا کیا نہ دے گئیں
 جنت بہ کف، عبادتیں، ماہِ صیام کی
 سجدہ گزار، جھولیاں بھر بھر کے لے گئے
 فیضِ رواں تھیں، رحمتیں ماہِ صیام کی
 پیوست دل، جگر میں رہیں گی اسی طرح
 عظمت نواز حرمتیں، ماہِ صیام کی
 موسمِ عبادتوں کے بدل جائیں بھی تو کیا
 باقی رہیں گی عظمتیں، ماہِ صیام کی
 نیرِ اجالے اُن کے گھروں کے ہیں پائیاں
 جن کو بڑی ہیں برکتیں، ماہِ صیام کی



عید الفطر



یہ جشن عید ہے یہہ، متر نواز ہے
 اُن کے لئے کہ جن کی عبادت میں کٹ گئی
 اُن کے لئے جو دین کی راہوں میں صبح و شام
 خوشبو کے اک سفر کی طرح تیرہ محام تھے
 مفلس سے، بے نواؤں سے بھی ہم کلام تھے



یہ جشن عید ہے یہہ، متر نواز ہے
 اُن کے لئے جنہوں نے یتیموں کی لی خبر
 جو بے گھروں کے واسطے اک سائبان تھے
 اُن کے لئے جو شمع فروزاں کی شکل میں
 جلتے رہے ہیں خانہ بدوشوں کے واسطے



یہ جشنِ عید ہے یہ بہشتِ نواز ہے
 اُن کے بھی واسطے جو مروت شناس ہیں
 جو دل سے دُور رہتے ہوئے دل کے پاس ہیں
 اُن کے لئے جو جیتے ہیں اوروں کے واسطے
 جو منتظر ہیں صبح کے پیغام کے لئے
 مصروف ہیں جو دین کے ہر کام کے لئے
 لیتے ہیں سانسِ عظمتِ اسلام کے لئے



اُن کے لئے جو دین کی راہوں میں صبح و شام
 خوشبو کے اک سفر کی طرح تیز گام تھے
 مفلس سے، ہم نواؤں سے بھی ہم کلام تھے



ایسا تو نہیں ہے کہ گُلِ تر نہیں دیکھا
 دیکھا ہے مگر اتنا بھی بے گھر نہیں دیکھا
 لکھ ڈالی ہے جس نے نئی تاریخِ شہادت
 کتنا ہے بلند آپ نے وہ سر نہیں دیکھا
 راتیں بھی کئی پیٹھ پہ گھوڑے کی گزار میں
 تھا ایسا مجاہد کبھی بستر نہیں دیکھا
 جب ٹوٹ گیا رشتہ غلاموں کی زمیں سے
 خود دار تھا اتنا کبھی سُر کر نہیں دیکھا
 اک ہاتھ میں تسبیح تھی اک ہاتھ میں تلوار
 اُس دن سے کسی نے اُسے گھر پر نہیں دیکھا
 پر کھوں کی عمارت تھی وہ رہتی وہیں قائم
 کچھ لوگوں نے نزدیک سے جا کر نہیں دیکھا
 گزرا ہوا لمحہ تھا قریب آیا تھا نیسار
 افسوس کہ میں نے اُسے چھو کر نہیں دیکھا





ہمارے سامنے قاتل ہے کیا کیا جائے
 وہ اب بھی نہ نیتِ محفل ہے کیا کیا جائے
 حصارِ ذات سے آگے نکل گیا ہوتا
 نظر میں صاحبِ منزل ہے کیا کیا جائے
 تمام عُسردیا جس کو میں نے درسِ جنوں
 وہ آج میرے مقابل ہے کیا کیا جائے
 وہ چاہتا ہے کہ اُس کی نظر کی حد میں رہوں
 یہ اختیار اُسے حاصل ہے کیا کیا جائے
 تمام شہر ہے پیاسہ دھواں دھواں متطر
 یزید اپنے مقابل ہے کیا کیا جائے
 میں ایک لمحہ بھی رستے میں رُک نہیں سکتا
 ہوا کے دوش پہ حمل ہے کیا کیا جائے
 بہت سے ڈوبنے والے تو بچ گئے نیسے
 ہمارا گھر لبِ ساحل ہے کیا کیا جائے





آج انجسم ہیں تو کیا، کل کہکشاں ہو جائیں گے
ہم زمیں پہ رہ کے اک دن آسماں ہو جائیں گے

دوستی میں فاصلہ رکھ کر نہ تم ہم سے رطوبت
ورنہ تم سے ہم بھی اک دن بدگمک ہو جائیں گے

جو نشانِ رہ گزر بن کر بھی تنہا رہ گئے
ایک دن وہ لوگ میرے کارواں ہو جائیں گے

گفتگو کے فن سے ہم واقف ہیں کتراؤ نہیں
کیا کرو گے مل کے جب ہم بے زباں ہو جائیں گے

ہم کو ڈر ہے تو یہی پہچان اپنی کھو نہ دیں
آپ پر پوری طرح جب ہم عیاں ہو جائیں گے

نقل میں اوروں کی اُن کا بھی لب و لہجہ گیا
ہم یہ سمجھے تھے کہ وہ شیریں بیاں ہو جائیں گے

آپ سے ہے مطمئنِ نیر بہ این دیوانگی
اک نہ اک دن آپ اُس پر مہرِ پاں ہو جائیں گے





ایک دن آئے گا ایسا بھی کرشمہ ہوگا
 تیرے چہرے پہ مری پلکوں کا سایہ ہوگا
 کٹ گئی عمر مگر نام کوئی دے نہ سکا
 زندگی تجھ سے مرا کونسا رشتہ ہوگا
 بے دیا گھر ہے شام ہی سو جاتا ہوں
 اک نہ اک دن تو مرے گھر میں اُجالا ہوگا
 اس توقع پہ کہ دستک کی صد آئے گی
 پاس دروازے کے اب تک کوئی بیٹھا ہوگا
 زندگی خانہ بدوشوں میں بھی گزری ہوگی
 تب کسی نے تمہیں مسند پہ بٹھایا ہوگا
 اسی انداز سے گہ چلتی رہی بادِ صبا
 دل کا یہ زخم بھی اک دن گلِ تازہ ہوگا
 مٹ گئی ہوگی کئی چہروں کی نسیب پہچان
 آئینہ ٹوٹ کے جب فرش پہ بکھرا ہوگا





کب تلک دیوار بن کر تم رہو گے درمیاں
 راستہ دوڑ کر نہ پائے گایہ سیلابِ رواں
 کل نہ یہہ احباب ہونگے اور نہ بترم آرائیاں
 چھوڑ جائیں گے یہاں سب اپنی اپنی داستان
 آہٹوں کا ذکر ہی کیا، راستے بھی تنگ ہیں
 رہنروں کی سہ زمیں ہے پاؤں رکھو گے کہاں
 ایک مدت سے اسی اک سوچ میں ہوں دوستو
 جانے کس نقشے میں قف ہوگا مرا ہندوستان
 زلزلوں کے قہر کو تو سپہ گئی اپنی زمیں
 کیا کرو گے ٹوٹ کر جب گہ پڑے گا آسمان
 میں نہ اُردو چاہوں گا، ہندی نہ تلگو، فارسی
 ملک میں رائج اگر ہوگی محبت کی زباں
 گھر کی دیواروں کو نیسہ دیکھ لو اچھی طرح
 آندھیاں پھر چل رہی ہیں گر نہ جائے یہ مکان





ہیں زخمِ زخمِ لوگ، بھلا کر تو دیکھئے
ایسا بھی ایک جشنِ مناکر تو دیکھئے

ہم آپ کی اطر سے کہاں اتنی دور ہیں
ہم کو کبھی زمیں پہ آکر تو دیکھئے

اب آپ اپنی ساری تداامت کے باوجود
بیمار باپ ہے ذرا جا کر تو دیکھئے

کس کس کی میں دُعا کا آثر ہوں یہ جاننے
میکر غریب خانے میں آکر تو دیکھئے

غدارِ قوم کون، محبتِ وطن ہے کون
آواز اپنے گھر سے لگا کر تو دیکھئے

کچھ اور بھی ہے خونِ شہیداں کے ساتھ
خاکِ وطن کو ہاتھ لگا کر تو دیکھئے

نیتہ! وہ اپنا دوست ہے سمجھاؤں گا اُسے
اک بار اُس سے ہاتھ ملا کر تو دیکھئے





ذہن و فکر کو میسر کس نے یہ رسائی دی
 اتنی دُور کی آواز کس طرح سُنائی دی
 مسئلہ وہ ہیں پر تھا کب سے موج و ساحل کا
 موسموں کا رُخ موڑوں کس نے ناخدائی دی
 سن رہا ہوں برسوں سے میں ضمیر کی آواز!
 مجھ کو میسر مالک نے اتنی تو رسائی دی
 جب تلاش میں اپنی میں جہاں جہاں پہنچا
 آپ ہی کی اک صورت ہر جگہ دکھائی دی
 چین سب کو مل جائے اس نظامِ عالم میں
 اس لئے ہی قدرت نے ہم کو کج ادائی دی
 اب کی بار بھی نیستہ پھر وہی مری آواز
 میسر گھر کے آنگن میں دیر تک سُنائی دی





مہاجر دوں کے بھیس میں یہاں پہ کون آگیا
 زمین اپنی چھوڑ کے وہ شخص تو چلا گیا
 کب اک مقام پر رہا جنوں پسند آدمی
 زمین تنگ جب ہوئی تو آسماں پہ چھا گیا
 عجیب فاقہ مست تھا کہ بھوک اپنی چھوڑ کر
 قلعہ دروں کی بزم سے وہ اٹھ کے پھر چلا گیا
 خوش تھا تو رادلوں کی فکر کب کسی کو تھی
 وہ بکرا یا اس طرح کہ سب کو پھر لایا گیا
 دراز دستی بڑھ گئی تو میسر ہاتھ کٹ گئے
 گناہ گار میں ہوا کسی کا اس میں کیا گیا
 جتوں کی بستیوں میں جا کے جشن پھر منائیے
 بھٹکنے والا پھر کسی کو راستہ دکھا گیا
 کہاں ہونسیہ غزل کیوں اس طرح سے چل دیے
 ہوا کا ایک جھونکا جیسے آیا اور چلا گیا





کون جانے کتنے آنسو نذرِ پیمانہ ہوئے
 زندگی سے کٹ کے ہم تو اور آوارہ ہوئے
 ہم تو محرابھی نہیں تھے پھر یہ وسعت دیکھے
 اس قدر پھیلے کہ ہم بھی دامنِ محراب ہوئے
 کس پہ اب روشن نہیں ہے ہم قلمکار و لکھا حال
 ہم کہیں آنسو بنے ہیں اور کہیں غم ہوئے
 وہ جو پُر اسرار تھے بے سائبان گھر کی طرح
 لوگ کہتے ہیں وہی تاریخ کا حصہ ہوئے
 فاصلہ اچھا نہیں، تہہ دیک آکر دیکھیے
 آپ سے ملنے سے پہلے کیا تھے ہم اب کیا ہوئے
 سوچ لو کب تک رہو گے تم کھلونوں کی طرح
 کس کے ہاتھوں سے نکل کر کس کا پیمانہ ہوئے
 مغدمل ہوتے تو کم کم روشنی ملتی ہمیں !
 زخمِ رستے رستے نیستِ خود ہی آئینہ ہوئے





یہ جیسا بھی مسیحا آئینہ ہے
 سبھی چہرہ دل کو یہ پہچانتا ہے
 مرے گھر پر کبھی دستک نہ دینا
 چلے بھی آؤ دروازہ کھلا ہے

مجھے اتنا نہ تم مجبورہ سمجھو
 مرے گھر میں بھی مٹی کا دیا ہے
 سوائے آپ کی پرچھائیوں کے
 ہمارے گھر میں اب کیا رہ گیا ہے
 محبت والے سب ہوتے ہیں ایسے
 تمہیں دیکھا تو اندازہ ہوا ہے
 تمہیں گر ناز ہے تقویٰ پہ نہایت
 ہمارے پاس بھی دستِ دعا ہے





وہ لوگ جن پہ ہے برسوں سے اعتبار مجھے
سمجھ رہے ہیں وہی قاتل بہار مجھے

دیا جلائے ہوئے کب سے در پہ بیٹھا ہوں
کبھی تو آئے گا جس کا ہے انتظار مجھے

تمہارے نام کے ساتھ اپنا نام بھی لکھوں
دیا تھا تم نے کہاں اتنا اختیار مجھے

دکھا کے دل کو ترے رات بھر میں سونہ سکا
میرا ضمیر جگاتا تھا بار بار مجھے

میں ڈر رہا ہوں کہ پہچان کھو نہ جائے کہیں
نہ کیجئے کبھی بھولے سے اتنا پیار مجھے

وہ جن کو میں کسی رشتہ کا نام دے نہ سکا
وہی تو کہتے ہیں سب سے زیادہ پیار مجھے

کسی نے جاتے ہوئے مڑ کے مجھ کو دکھا تھا
اسی کا آج بھی نہ پتہ ہے انتظار مجھے





میں چاہتا تھا رفیقوں کو اپنے سمجھانا
 ذرا تو کم ہو کبھی چشمکِ حریفانہ
 تلاش کس کی ہے سب شکلیں ایک جیسی ہیں
 کیوں آپ آئے ہیں ہاتھوں میں لیکے آئینہ
 بجز قناعتِ دیرینہ کیا ہے اپنے پاس
 ہمارے گھر سے کبھی خالی ہاتھ مت جاتا
 کئی برس ہوئے اپنی زین چھوڑے ہوئے
 بولوٹ آئے کسی نے نہ ہم کو پہچانا
 وہ دن قریب ہے لے تاجِ بادشاہ کی طرح
 اسی زمین سے اٹھے گا کوئی دیوانہ
 اسی طرح کئی موسم گزر گئے نیست
 ہے اُن میں اب بھی وہی شانِ بے نیازانہ





پچھلے پہر جو روتا ہوگا
 میری طرح وہ تنہا ہوگا
 میرے آنسو پونچھنے والے
 تیرا دامن بھیگا ہوگا
 کس کو خبر خوشبو کے سفر میں
 آپ کا گھر بھی آیا ہوگا
 تیری آنکھیں دیکھنے والا
 آج تلک بھی پیاسا ہوگا
 میرا ماضی زخم کی صورت
 آپ کے دل میں رہتا ہوگا
 چھوڑ کے سب کو جانے والا
 میری طرف بھی دیکھا ہوگا
 اُس کو جہاں چھوڑا تھا نہ
 اب بھی وہیں وہ ٹھہرا ہوگا





مصلحت کو شش تھے تم، دل میں چھپا رکھی تھی
 ہم نے جو بات سرِ بزمِ روار رکھی تھی
 کیا بتاؤں تمہیں پردیش میں وہ بھی نہ رہی
 میں نے جو خاکِ وطن گھری پیا رکھی تھی
 مفلسی نے مرا گھر چھوڑ کے جاتے جاتے
 ایک روٹی مرے حصّہ کی بچا رکھی تھی
 اُس کو بھی تینہ ہواؤں نے پینے نہ دیا
 ہم نے جو شمع سرِ بزمِ جلا رکھی تھی
 کس کو معلوم کہ کس وقت گزر ہوا اُس کا
 میں نے اک شمع سرِ راہ جلا رکھی تھی
 ہم اُسی بات کو آنکھوں میں لئے پھرتے ہیں
 تم نے جو بات زمانہ سے چھپا رکھی تھی
 بات جو تلخ بہت تلخ تھی اُس کو نیسے
 اگلی محفل کے لئے میں نے اٹھا رکھی تھی





میں کچھ نہ تھا خدا نے بہت کچھ دیا مجھے
 دامن نہیں تو دیدہ پُر نعم ملا مجھے
 پھولوں سے ربطِ خاص تھا آیا تھا ایک بار
 اب بھی تلاش کرتی ہے بادِ صبا مجھے
 اک جنبشِ نگاہ نے محصور کر دیا
 اے ذکرِ یار! تو نے دی کیسی سزا مجھے
 پانا تھا جس کو پانہ سسکا عمر کٹ گئی
 دنیا نے جستجو کے سوا کیا دیا مجھے
 شبہِ رگ سے وہ قریب تو ہے اسکے باوجود
 محسوس ہو رہا ہے ابھی فاصلہ مجھے
 اُڑے ہوئے چمن کی یہاں راکھ بھی نہیں
 لائی ہے کس مقام پہ بادِ صبا مجھے
 نیند! ہے غم یہی، مری پہچان کھو گئی
 اپنے ہی گھر میں اس طرح گوتا گیا مجھے





کیا جانے اب کے رُت یہاں کیا کام کر گئی
چادر نئی بہار کے سر سے اتر گئی

تم اک لکیر کھینچ کے ہی مطمئن رہے
حدِ تعینات سے آگے نظر نہ گئی

گہرا کے آسماں کی طرف دیکھتا ہوں میں
اب کے بھی خالی ہاتھ دعائے سحر گئی

پھپھلی روایتوں کو بچانے کے باوجود
احساس زندہ رہ گیا، تہذیب مر گئی

گلشن میں پھول کلیوں کا بیڑا رہا جب ہوا
پہلو بچا کے سب سے نسیم سحر گئی

بے داغ آئینوں کی طرح چشمِ معتبر
کچھ مرحلوں پہ ہم پہ بھی احسان کر گئی

نیر! یہی ہے غم کہ اُسے چھو نہیں سکا
تازہ ہوا قریب سے ہو کر گزر گئی





دامن ہے کہیں تر تو کہیں دیدہ نم ہے
 بھائی کی طرح رہنے میں دونوں کا بھرم ہے
 اونچی ہوئیں کچھ اور بھی دیواریں گھروں کی
 رسوائی کا یہ زخم بھی کیا پہلے سے کم ہے
 کانوں میں ہیں محفوظ ابھی چیتھوں کی آواز
 جلتے ہوئے شہروں کا ہیں آج بھی غم ہے
 جن ہونٹوں سے آتی تھی کبھی دودھ کی خوشبو
 اُن ہونٹوں کا ہر زاویہ محروم کرم ہے
 بارود کی بو آتی ہے اُن ہاتھوں سے نیر
 جن ہاتھوں کی میراث میں حوشیہ کا قلم ہے





احباب اپنے کتنے ہی خالوں میں بیٹ گئے
 جن پر ہمیں تمھانا نہ وہی ہاتھ کٹ گئے
 اب کے برس بھی شہر میں ایسی ہوا چلی
 شاہین زادے اپنے پروں میں سمٹ گئے
 یک رنگی لباس نے وہ گل کھلائے ہیں
 پر چھائیوں سے آپ کی ہم بھی لپٹ گئے
 تم ایسے کو نسے ہو روایت کے پاسدار
 تم بھی تو اپنے قول سے اکثر لپٹ گئے
 شکلیں کچھ ابھریں پردہ سیمیں یہ اس طرح
 نیت جو وضع دالہ تھے منظر سے ہٹ گئے



کہاں ہے وہ؟
 (شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا)



کہاں ہے وہ؟
 شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا
 کہاں ہے وہ شریکِ زندگی میری



بہت ہی مطمئن رہ کر
 شکرِ دل لئے اک شب
 کسی محفل سے اٹھ کر جیسے ہی پہنچا میں اپنے گھر
 وہاں آہ و بکا کا شور ایسا تھا
 کہ جیسے آسمانِ غم، زمیں پر ٹوٹ کر گرنے لگا ہو
 عمارتِ گھر کی ساری ڈھ چکی ہو



مرے بچوں کی آنکھوں سے رواں تھے خون کے آنسو
 عزیزوں کے دلوں سے رنج و غم کے بادلوں کا

ایک دریا بہہ رہا تھا
جو مر نہ تھا مرے گھر کا بکھر کر رہ گیا تھا

○

اُس اک شب ایسی آندھی چلی تھی صحن گلشن میں
کہ جس میں زندگی بھر کا اثاثہ بہہ گیا تھا
چراغِ آرزو مدت سے جو جلنے لگا تھا
اچانک بجھ گیا اُس شب

○

شریکِ زندگی کہتے ہیں جس کو لوگ سارے
شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا
مری دنیا سے آگے جا چکی تھی
بہت آگے

○

سفر تھا مستقل پیشِ نظر اُس کے کئی دن سے
ہمیشہ کلمہ توحید اُس کے لب پہ رہتا تھا
مگر دل مضطرب تھا
کہ اُسکے دل کی ساری دھڑکنیں رک رک کے چلتی تھیں

اچانک نبضِ دل ڈوبی
 فضا میں تھر تھرانے لگ گئی تھیں
 گرمیہ پیہم کی لرزیدہ صداؤں سے
 سکونِ زندگی محشر یہ داماں تھا
 حیاتِ جاوداں کا تھا سفر جاری

○

مکس ماتم کُناں، محوِ فُعال تھے
 ہر اک گوشہ میں اک کُہرام سا تھا چشمِ گریاں کا
 اک ایسی شکل تابندہ نظر کے سامنے تھی تو رانِشاں
 اک ایسا جسم پاکیزہ، فردِزاں شمع کی مانند
 اک ایسا جسم تھا چادر میں لپٹا
 جو کل تک زرفشاں تھا

○

وہ ایسی خوش نظر، پھولوں کا پیکر تھی
 لبوں سے پھول جھڑتے تھے بہ ہنگامِ تکلم
 صداقت آشنا طرزِ تحاطب
 لب و لہجہ میں اُس کے سادگی، صبح بہاراں کی

نفاست گفتگو میں تھی
 ہمیشہ ہی رہا کرتا تھا صبح نو کی صورت اُس کا چہرہ
 ملائم دل، چمک آنکھوں میں
 ٹھنڈی چھاؤں جیسی اُس کی پلکیں تھیں
 سبک اندام، روشن دل، محبت آشنا ہمدم
 کہ جسکی آنکھوں سے گھر کا گھر بیدار رہتا تھا
 ہر اک چپہ پہ گھر کے
 اُس کے قدموں کے نشان
 صبح درخشاں کی طرح روشن نمایاں تھے
 یہاں اہل وفا، اہل نظر سب جمع رہتے تھے
 یہاں حسنِ طبیعت، زندگی کا درس ملتا تھا
 یہاں بے خانماں لوگوں کو اک راحت رساں ماحول ملتا تھا

○

اک ایسی مہرباں، رحمت صفت، رخصت ہوئیں ہم سے
 جو بچوں کے لئے چشمِ بصیرت کا خرمینہ تھیں
 زباں جسکی تھی شیریں
 رس ٹپکتا تھا لبوں سے شہد کی مانند

تبسم، زیر لب رہتا تھا
اکثر کھل کے ہنستی تھیں

مثال اپنی تھیں وہ خود صاف گوئی میں
صاحت اُس کے چہرہ سے عیاں تھی
شراقت اُس کا زیور تھا، محبت اُس کا مسلک تھا
غریبوں، بے سہاروں کے لئے حرفِ تمنا تھیں
وہ اپنے گھر کے ہر اک فرد کا سچا مسیحا تھیں
وہ ایسی شمعِ روشن تھیں کہ اُس کو اور چلنا تھا
وہ ایسی راہی منزل تھیں اُس کو اور چلنا تھا



مرے گھر میں تو سب کچھ ہے مگر وہ گوشہ ویراں
ابھی تک خالی خالی ہے
ہمیشہ وہ جگہ خالی رہے گی سجدہ گاہِ دل کی صورت میں



بہت خاموش ہے دل، رات بھر پلکیں کھگوتا ہوں
اُس اک زندہ بشر، خوش رنگ پیکر کے لئے اب بھی
کہ جس سے گھر کی ساری راحتیں شمعِ شبتاں تھیں



کہاں ہے وہ
 شریکِ غم جسے کہتی ہے دنیا
 شریکِ زندگی میری
 کہاں ہے وہ
 مکاں کا ایک گوشہ اب بھی خالی ہے
 کہاں ہے وہ — ؟

••



موسم کی کوئی قید نہیں کا رہ جنوں میں
 دیوانہ ہر اک رنگ میں مقبول رہا ہے



دل، زندگی کے زخم کو سہتا تو ہے مگر
 پہلی نظر کی چوٹ کبھی بھولتا نہیں



نیرِ نظر شناس تو ہے اس کے باوجود
 تم سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا



جامعہ عثمانیہ



مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ
 علم و تہذیب کی توجہ ہے زندہ نشان
 تیری آغوش میں دولتِ دو جہاں
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ



کتنی بے خواب راتوں کی تعبیر ہے
 ہو بہو روزِ روشن کی تصویر ہے
 سارے عثمانین تیری پہچان ہیں
 شمعِ فکر و نظر کی وہ اک شان ہیں
 بن بجائے زمیں جب ملکِ آسماں
 بول ہی جا رہی ہے تیرا فیضِ رواں
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ



سکد امن سے آتی ہے ٹھنڈی ہوا

تیری خوشبو سے مالوس بادِ صبا
 تیری باہوں میں ملتا ہے کتنا سکوں
 تیری چشمِ مروت میں ہے کیا فسوں
 تو ہے سایہ فگنِ مادرِ مہرباں
 چھاؤں دیتا رہے اپنی یہ سائیاں!
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ



تیری آنکھوں میں بہتا ہوا نور ہے
 تیرے چہرے پہ اک جلوہٴ طور ہے
 تیری سانسوں میں خوشبو کی مہکار ہے
 تیرے ہونٹوں پہ برسوں کا اقرار ہے
 تیرا ہر رنگ ہے عظمتِ گلِ رخاں
 تشہ لب کے لئے جیسے آبِ رواں
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ



تُو نے دنیا میں جینے کا سکھلایا فن
 تیری نسبت سے ہم میں ہے اک بانگین

تیری ہر اک نطر میں ہے ابرہ کرم
 مدتوں سے نگہباں، تری چشمِ نم
 تیرے آنکھن میں اُتری ہوئی کھکشاں
 ہم کو سکھلا گئی چشمِ نم کی زباں
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ

○

مشعلیں لاکھ دل کی جلائیں گے ہم
 کس طرح قرضِ تیرے اُچھکائیں گے ہم
 دودھ کی خوشبو ہونٹوں سے جاتی نہیں
 مامتا، پیار کو آزماتی نہیں
 تیرے قدموں کی آہٹ ہے جنتِ نشاں
 تیرے قبضے میں رہتے ہیں دونوں جہاں
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ

○

ابر و تیری گھٹنے نہ دیں گے کبھی
 سر سے چادر سہرکنے نہ دیں گے کبھی
 دورِ حاضر کی اسے یادگارِ حسیں

تیسری چوکھٹ پہ ہوگی ہماری جبیں
 تیسری رفعت کی شہرت رہے جاوداں
 عظمتیں ہیں تری آج بھی زرفشاں
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ



تو صداقت، شرافت کی تلقین کر
 اپنے بچھڑے ہوؤں پر بھی ہواک نظر
 سب کو ارضِ دکن کی رہے آرزو
 عزتِ نفس کی ہر قدم جستجو
 تمہیکہ احسان ویسے بھی ہیں بیکراں
 تو ہر اک حال میں ہم پہ ہے مہرباں
 جگمگاتی رہے بنرم عثمانیہ
 لہلہاتی رہے بنرم عثمانیہ
 آبروئے دکن، بنرم عثمانیہ
 ہے شگفتہ چین، بنرم عثمانیہ
 تیرا ہر دم رہے گا خدا پاسبان
 یوں ہی بڑھتا رہے یہ ترا کاروان!
 مادرِ جامعہ ————— مادرِ جامعہ

وہ در سگا ہیں

○

خرد سے جب بھی اُلجھتا ہوں دل یہ کہتا ہے
 کبھی کبھی ہی سہی پیچھے مٹر کے دیکھ تو لو
 کہیں یہ بیش بہا کوئی شے گری تو نہیں
 اُلٹے رہنا تم اور اِقِ زندگانی کو
 کبھی کبھی ہی سہی اپنا حائِذہ لینا
 گزشتہ رُت کے یلکینوں کو بھی صد دینا

○

خرد کی حد میں، میں رہتا تو ہوں مگر پھر بھی
 کہا میں دل کا ہمیشہ ہی مان لیتا ہوں
 تب ہی تو کہتا ہوں اِس عہد کے رفیقوں سے
 وہ جن کے لہجے میں ملتی تھی پیار کی توشیح
 وہ ہم میں رہتے ہیں پھولوں کی تازگی کی طرح

○

وہ علم و فن کے معلّم مری نگاہوں میں

عظیم ورثہ ہیں تہذیب زدگانی کا
 وہ جن کی سانسوں میں خوشبو مہکتی رہتی تھی
 ہیں ذہن و فکر میں اک تازہ روشنی کی طرح
 تھی جن کی گفتگو، تفہیم آگہی آسمیں
 ہے میری ذات میں اسرارِ پیچودی کی طرح
 وہ جن کے طرزِ تکلم سے دل کے آئینے
 چمکتے رہتے تھے ذہنوں کی روشنی کی طرح
 کچھ ایسے جب کبھی استادِ یاد آتے ہیں
 دیارِ دل میں بہت دیر جگمگاتے ہیں

جو شکلیں کل تک اناشہ تھیں درسِ اکاہوں کا
 وہ شکلیں آج بھی پھرتی ہیں میری آنکھوں میں
 خیال و فکر کی اُس پہلی رہ گزر کے قرین
 کھڑا تھا میں بھی کبھی کا سہم تہی لے کر
 نظر سے کتنے ہی منظر گزرتے رہتے ہیں
 مری نظر نے کیا ہے کئی رُتوں کا سفر

○
 وہ درس گاہیں کہاں ہیں کہ جن سے رشتہ تھا
 مری حیات کا، تابندہ زندگی کی طرح
 وہ درس گاہیں کہاں ہیں کہ جن سے رشتہ تھا
 مرے وجود کا، ہونٹوں پہ تشنگی کی طرح
 اکیلے پن میں یہہ اکثر خیال کرتا ہوں
 اگر نہ ملتے معلّم نسیم گل کی طرح
 چین میں بن کھلے کتنے ہی پھول مڑ جھلتے

○
 مہمان نوازی میں کمی رہ گئی شاید
 گھر میں جسے رکھا وہی گھر لوٹ رہا ہے

○
 مجھی کو تشنگی دامن پہ ہے پشیمانی
 بہت سے پھول کھلے ہیں تری نگاہوں میں

○

روشنی ملتی کہاں ہے؟



روشنی ملتی کہاں ہے روشنی دیتا ہے کون؟
 قوم کے نڈیتا، سیاسی رہنما اہل کرم
 سب اجالوں کے خریداروں میں شامل ہو گئے
 ہم مگر اپنی ہی کُٹیا، اپنے گھر میں قید ہیں
 ایک مدت ہو گئی بے نام رشتوں کی طرح



ہم اندھیروں کی سیہ چادر میں ہیں لپٹے ہوئے
 یہ تو صدیوں کی روایت ہے کہ ہم سہتے ہوئے
 ظلم و ستم
 جی رہے ہیں اب بھی اپنی سانس کو روکے ہوئے



اپنے گھر میں ایک مٹی کا دیا بھی تو نہیں
 ہم تو سو جاتے ہیں ویسے بھی تو پہلی شام سے

یہ تو پرکھوں کی روایت ہے جو باقی ہے ابھی
روشنی گھر گھر ابھی پہنچی — کہاں



روشنی پہ سب کا حق ہے سب برابر کے شریک
لیکن اب بھی روشنی، پانی، ہوا پر بھی ہے پہرہ
تا جہان قوم کا —



اپنی بھی اس ملک میں پہچان ہے اپنی شناخت
گرچہ ہم ہیں غربت و افلاس کے مارے ہوئے
گرچہ ہم صدیوں سے ہیں بچھڑے ہوئے
آخر اپنا بھی تو رشتہ

اپنی اس دھرتی سے ہے
آسمانوں میں خلاؤں میں بھٹکنا
اپنا منصب تو نہیں
ہم کو روٹی چاہیئے، کپڑا، مکان
چین سے غرت سے جینے کے لئے



ہم تو صدیوں سے اندھیروں میں جہنم لیتے رہے
 یہ زمیں محنت کشوں کے دم سے ہی زرِ خینہ ہے
 یہہ زمیں وقتِ سحرِ شبنم سے ہی لبریز ہے



کوئی کبھی شے مانگنے سے تو کبھی ملتی نہیں
 اپنی روٹی پر تو اپنا حق ہے، ملنا چاہیے
 یہ غریبی ورنہ روٹی پھین کر لے جائے گی



ایک دن آئے گاسارے گھر میں ہوگی روشنی
 کوئی بھی روٹی کو ترے سے گانہ کوئی پیار کو
 سب سے پہلے اپنے گھر آئے گی سورج کی کرن
 دیکھ لینا ایک دن تو اے مریہ ارضِ وطن

سوال یہ نہیں اُس چشمِ نم کی حد ہے کہاں



سوال یہ نہیں اُس چشمِ نم کی حد ہے کہاں
سوال یہ ہے کہ دامن کہاں سے لائیں گے



یہ انتشارِ یہہ اُلجھن یہ بے لیتی سی
جنونِ فرقہ پرستی کا نہ ہر پی پی کر
فضائے امن و اماں کی چتا بجلاتے ہوئے
ہر ایک شہر ہر اک گھاؤں گھاؤں پھیلی ہے



یہہ کیسی رُت ہے کہ نفرت کا بیج بونے ہوئے
تمام شہر کی گلیوں سے شاہراہوں سے
گنہہ رہا ہے کوئی کارواں سزا کی طرح
یہہ زہر پھیل رہا ہے یہاں و با کی طرح



پھر اس کے بعد ہی زہر ٹپلی اُن فضاؤں میں
 بہت سے غم زدہ معصوم بے گناہوں کی
 بغیر جرم و خطا سانس رکنے لگتی ہے
 بغیر جرم و خطا زندگی بکھرتی ہے



نہ جانے کل مرے ہندوستان کے ماتھے پر
 کرن کرن کا لہو پی کے کون لکھے گا
 نئی فضا، نئے ہندوستان کی تاریخ



ہمیشہ ہوتا رہا ہے ہمیشہ ہو گا یہی
 جہاں کہیں بھی اندھیروں کی رسم چلتی ہے
 وہ ہیں یہ تازہ اُجبالوں کا ذکر بھی ہو گا
 جہاں بھی ہو گا سیہ رات کا سفر جاری
 وہ ہیں یہ نور کی بارات کوئی نکلے گی
 یہ اس لئے کہ یہی ریت ہے زلزلے کی
 اندھیرے کمریب بھی فضاؤں میں پھیل جاتے ہیں
 اُجالے نور کی چادر کو سر پہ اُڑھے ہوئے

نئی بہار کا پیغام لے کے آتے ہیں
نئی سحر کے لئے تازہ روشنی کے لئے



وہ ایک روشنی جس کا ہے انتظار ہمیں
سفیر جس کو اُجبالوں کا ہم سمجھتے ہیں
وہ ایک روشنی پھولوں کا پیر ہنسی پہنے
کبھی تو پہنچے گی تاریک اُن مکالوں میں
چراغ جن کے ابھی تک بجھے بجھے سے ہیں



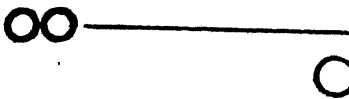
وہ ایک روشنی جس کا ہے انتظار ہمیں
تمام شہروں کی مصروف شاہراہوں سے
تمام گاؤں کی شاداب رہ گزاریوں سے
سریلے نغموں میں پھولوں کے گیت گاتے ہوئے
کبھی تو گزرے گی پھیلوں کے قافلوں کی طرح
کبھی تو گزرے گی شفاف آئینوں کی طرح



ہم اہل دل ہیں محبت شناس ہیں ہم لوگ

ہم اہل درد، بہت سوں کی آکس ہیں ہم لوگ
پیامِ امن لئے ہم جہاں سے گذریں گے
بہت سے لوگ ملیں گے قدم ملاتے ہوئے
سروں کی شمعیں ہر اک موڑ پر جلاتے ہوئے

○
کسی بھی رُت کسی موسم کی کوئی قید نہیں
وطن پرستوں کا سر تو کہیں جھکا ہی نہیں
وطن کی چھاؤں میں ہم لوگ سانس لیتے ہیں
زمین پیاسی اگر ہے لہو بھی دیتے ہیں
فضاء میں پیار کی جینے کی ہم کو عادت ہے
یہی تو شہرِ محبت کی اک روایت ہے



دل، دارِ کالقیب تھا لیکن تمہارے بعد
اب دل بھی اعتبار کے قابل نہیں رہا

ایسا کیوں ہم نے کیا؟



صبح کی پہلی کرن سے پہلے
 رات بھر جاگ کے یہ جائزہ ہم نے بھی لیا
 اب کے بھی پچھلے برس
 کتنے احباب کو کس طرح سے کھویا ہم نے
 کتنے ہی لوگوں کو بے وجہ رُ لایا، ہم نے
 بے سبب کتنے ہی دامن کو بھگویا، ہم نے
 کتنے ہی لوگوں کو بے غائیاں، بربادوں کو
 سامنے آنکھوں کے گٹے ہوئے دیکھا ہم نے
 پھر بھی اُن زخمی دلوں کے لئے کچھ بھی نہ کیا
 سر چھپانے کے لئے کوئی سہارا نہ دیا



اپنے ہمسائے جو تھے ٹوٹے ہوئے دل کی طرح
 اُن کو اشکوں کے سمندر میں ڈبوایا ہم نے

کتنے لب خشک ہوئے، قہر لگا ہی سے یہاں
 کتنے ہی لوگوں کو ہمدرد سیجا بن کر
 دُور تھے ہم سے مگر پاس بلایا ہم نے
 کتنے معصوم تھے وہ زندہ جلایا ہم نے



رات بھر جاگ کے یہ جاننہ ہم نے بھی لیا
 ایسا کیوں ہم نے کیا



سانس لیتے رہے جو شہرِ محبت کے لئے
 آخری سانس تلک بھی انہیں جیتے نہ دیا
 زندگی بھر جو محبت کا سبق دیتے رہے
 اُن کو اس شہر نے اک پل بھی تو سونے نہ دیا



کل تلک ساتھ جو لمحے تھے وہ سب چھوٹ گئے
 اپنے ہمسایہ جو تھے اُن کے بھی تیمور بدلے
 ہم اُلٹے گئے بے نام سے ماضی کے ورق

لفظ و معنی کی جگہ دھند کے بادل تھے وہاں
 کتنے لفظوں نے بدل ڈالا ہے مفہوم اپنا
 کتنے ہی حرف لہو بن کے اُبلتے ہی رہے
 کتنے ہی لفظ دھواں بن گئے اُچلتے ہی رہے



کل بھی کچھ ایسا ہی منظر تھا ہر اک سمت یہاں
 اُس طرف صبح کا آنچل تھا ادھر تھے آنسو
 اک لعفن تھا ادھر ادھر ادھر تھی خوشبو
 دیکھنا یہ ہے کہ یہ سال ہمیں کیا دے گا



صبح کی پہلی کرن سے پہلے
 اس برس بھی یہی سوچا ہے کہ چاہے کچھ ہو
 رشتی کا کوئی دروازہ کھلے یا نہ کھلے
 ہم نئی صبح کے دروازے پہ دستک دیں گے
 ہر نفس ہم یہاں سورج کی تمثالے کر
 ایک ایک شخص کے گھر جائیں گے کہنے کے لئے
 زندگی جن کی ہے لوٹا دو انہیں

کوئی بھی رُت کوئی موسم سہی، ماحول سہی
ہم تو ہر حال محبت کے رواداری کے پسیمہ ہی رہیں

اس برس بھی کسی رادھا کا یہاں گھر نہ چلے
کسی سلمیٰ کا مہکتا ہوا بستر نہ چلے

رات کے زخم ہی سہنا ہے تو ہم سہ لیں گے
ایسے ہرزخم کو ہر سال سہا ہے ہم نے
دل یہ کہتا ہے کہ اک دن تو وہ آئے گا یہاں
ہم جدھر جائیں گے اُس سمت اُجالا ہو گا
اپنے آنکھن میں بھی اک روز سویرا ہو گا

ارزاں تو اس قدر نہ تھا انسان کا لہو
تم کہہ رہے تھے شہر میں قاتل نہیں رہے

وطن فروش



یہ بات میں نہیں یہ بات لوگ کہتے ہیں
میں جانتا ہوں یہ کہنا بھی بدشگون فی ہے
مگر وہ لوگ جو کہتے ہیں اب کی بار یہاں
ہزاروں غم زدہ، معصوم، بے گنہہ انسان
ملیں گے اب کے بھی بے سائبال مکاں کی طرح
یہ اس لئے کہ اسی طرح ہوتا آیا ہے



کہاں کا موسم گل اور کہاں کی فصل بہار
لگے گی آگ یہاں لہلہاتے کھیتوں میں
سروں کی فصلیں کٹیں گی پھر اب کے موسم میں
لہو سے اپنی زمیں بھیک جائے گی لیکن
تڑپتی لاشوں کی مانند بددعا دے گی
کچھ ایسے لوگوں کو جو قوم کے مسیحا ہیں
یہ بات میں نہیں یہ بات لوگ کہتے ہیں



تھیلیوں کی لکیروں میں جو بھی لکھا ہے
 وہ ہوگا پورا کچھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے
 کسی تجوہی کے کہنے سے مٹ نہیں سکتا
 وہ داغ چہرہٴ امروزہ کا جو حصہ ہے



قلم کی بات نہیں وہ تو بک چکا کب کا
 قلم کو چھوڑیے اب انگلیوں سے ٹپکے گا
 لہو کچھ اتنا کہ رُود کے سے رک نہ پائے گا
 یہ بات میں نہیں یہ بات لوگ کہتے ہیں



وہ ایک لمحہ لہو میں نہا کے آئے گا
 وطن فروش یہاں اپنی گریسیوں کے لئے
 بنائیں گے کئی شہروں کو پھر سے قبرستان
 ہر ایک شہر کی شہرگ سے خون ٹپکے گا
 ہر ایک گاؤں میں نفرت کا زہر پھیلے گا
 کوئی تو رام کا لچھمن کا نام لے لے کر
 کوئی تو سرد و حشمتی کی قسمیں کھا کھا کر

شریف لوگوں کو اس طرح پھر لڑائے گا
کہ سارے ملک میں نہ ہر اب پھیل جائے گا
یہ بات میں نہیں کہتا یہ لوگ کہتے ہیں



پھر اس کے بعد یتیموں کی ہوگی لمبی قطار
ہر اک محلہ ہر اک گھر سے پھر اٹھے گا دھواں
ہمارے کانوں میں گونجیں گی پھر وہی چمنیں
ہمارے کان جو برسوں سے سنتے آئے ہیں
سہاگنوں کا یہاں پھر سہاگ اُڑے گا
کسی کی مانگ کا سینہ دور کہکشاں کا سوال
معاشرے کے لبوں پر ابھر کے آئے گا
اُچھالے جائیں گے نیروں پہ دودھ پیتے ہوئے
جوان ماؤں کے سینے سے لپٹے، سہمے ہوئے
غریب گھر کی جو دولت ہیں بے زباں بچے



وہ جن کو لوگ محافط سمجھتے آئے ہیں
ان ہی کی گولی کا پہلا نشانہ ہوں گے وہی

کچھ ایسے لوگ بھی جو امن کے پیہر میں
یہہ بات میں نہیں یہہ بات لوگ کہتے ہیں



گزشتہ وقت یہاں پر کچھ ایسے لوگ بھی تھے
سڑک پہ آئی نظر لاش تو اٹھاتے تھے
کچھ ایسا لگتا ہے بے برگ و بار موسم میں
اٹھانے والا ملے گا نہ لاش کو اپنی



گزشتہ وقت یہاں پر ہی اپنے دو بھائی
فسادیوں کی جوزد سے نکل کے آئے تھے
مگر یہ ڈر ہے کہ اب کے وہ بچ نہ پائیں گے
کہ اب کی بار تو بارود ، اسلحہ خزانے
ہر ایک بستی ہر اک گھر میں پھیل جائیں گے
بچا سکو تو بچا لو تم اب کی بار یہاں
تمہارے اپنوں میں ٹپپو ہے اور بھیم بھی ہے
تمہارے بھائیوں میں رام بھی رحیم بھی ہے

ایک سچا آدمی

مصلحت سے دُور رہ کر ایک سچا آدمی
ہم کو مل جائے اگر
رقص فرما ہو گی ساری زندگی
اور ہم ہسکا کریں گے
تازہ پھولوں کی طرح



مصلحت سے دُور رہ کر ایک سچا آدمی
وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
بے خطر، بے خوف ہو کر گفتگو کرتے ہوئے
ہم کو مل جائے اگر
اپنا دامن نہ دیکھتے ہی نہ دیکھتے بھر جائے گا
تازہ موسم کی مہکتی سی فضاؤں کی طرح



مصلحت سے دور رہ کر ایک سچا آدمی

رفتہ رفتہ ٹوٹ کر آئینہ خالوں کے لئے
 ہم کو مل جائے اگر
 ہم ہی دامن نہ ہوں گے عمر بھر
 زندگی بھر ہم نہیں ہوں گے کبھی خالی نظر

○
 مصلحت سے دور رہ کر ایک سچا آدمی
 لمحہ زلیست کی ہر موڑ پر
 اپنے ہونے کی نشانی چھوڑ کر
 سب سے ملتا ہو جو پھولوں کی قبا پہنے ہوئے
 جس کی خوشبو سے مہک جاتی ہوں صبح و شام کی
 سب ساعتیں
 جو معطر ہو نسیم صبح کے لہرائے آنچل کی طرح
 ہم کو مل جائے اگر
 ہم محبت کی فضاؤں میں نکھرتے جائیں گے
 روشنی بن کر ہر اک دل میں اترتے جائیں گے

○
 لیکن ایسے یا مروت لوگ ملتے ہیں کہاں

کس قدر دشوار ہے ملت انگارِ صبح کا
 ہم کو مشکل سے ملیں گے ایسے سچے آدمی
 جن کی آنکھوں میں رہا کرتی ہے
 صبح نو کی ہر پہلی کرن
 جن کے لب پر ہر تبسمِ چشمِ گریاں کی طرح
 جن کے چہرے پر شرافت کے ملیں تازہ نقوش
 جن کے لہجے میں ہو نرمی جن میں ہو دیوانہ پن
 گفتگو میں جن کی ٹھنڈک ہر ادا میں بانگین

اپنے گھر کی دوستو دہلیز تک باقی نہیں
 بے بسی اب دیکھنا ہے کس کے گھر لے جائے گی

آپ کے شہر میں ہم خانہ بدوشوں کے لئے
 کوئی تو ہو گا جو جینے کی دعا مانگے ہے

گردش میں روز و شب کی اگر آپ بھی نہ ہوں
 بن کر مرا رفیقِ سفر کون آئے گا

میرا کُتب



سُکون گھر کا میسٹر جسے نہیں ہوتا
تمام عمر ٹھکتا ہے وہ خلاؤں میں



سُکون گھر کا میسٹر جسے نہیں ہوتا
دل و دماغ کی وہ کشمکش میں رہتا ہے
کسی غریب کے بے سائباں مکاں کی طرح
کسی غریب کی بے ربط داستاں کی طرح



خدا کا شکر ہے میرے غریب خانے میں
ہر ایک دور میں روشن رہے وفا کے چراغ
مرے چین میں ہر اک رنگ کے پھول لپٹے
مرے چین میں کئی طرح کے کھلے ہیں پھول
غریب خانے کی مہکی ہوئی فضا میں ہیں
شگفتگی کا ہے منظر جدھر نظر ڈالیں



سحر کی پہلی کرن میرے گھر کے آنگن میں
مسترتوں کے دیئے ساتھ لے کے آتی ہے
فضائے خوش نظری جھوم جھوم جاتی ہے



میرے حال پہ احسان ایسی خوشبو
کہ جس سے سارا چین لہلہاتا رہتا ہے
کہ جن سے سارا چین گنگنا تا رہتا ہے
یہ ساری خوشیاں بھی سوغات ایسی مستی کی
کہ جس نے جیل کے شبِ زندہ نشینی دی ہے
تمام گھر کے لئے گھر کی بہتری کے لئے
رہی ہے خوشیوں کی مرکز مری رفیقِ حیات
کہ جس کے حسن سے روشن ہوئے مرے حالات



تمام بیٹوں میں عارف ہو یا کہ ہو وہ سلیم
تمام بیٹوں میں منہاج ہو کہ وہ پیرِ دینہ
خلوصِ دل سے ہر اک رشتہ وفا کی طرح

تمام گھر کی فضاؤں میں رنگ بھرتے ہیں

○

یہ میسر بیٹے آناشہ ہیں زندگانی کا
یہ بیٹے آنکھوں کی ٹھڈک ہیں میرے دل کا سُرود
ہر ایک بیٹا ہے پابندِ رسم و راہ مرا
یہ بیٹے رسمِ محبت کے پاسدار بھی ہیں
دکھائی دیتے ہیں شائستہ زندگی کی طرح
مرے چمن کے ہر اک حُسن کو بڑھاتے ہوئے
غریب خانے کی تادیر روشنی کی طرح

○

میں خوش بہت ہوں کہ تنظیمِ زندگانی میں
ہر ایک بیٹے کا حصہ برابری کا ہے
یہ بھائی بھائی بھی آپس میں اچھے دوست ہیں

○

میں خوش بہت ہوں کہ تہذیبِ زندگانی کا
ہر ایک گوشہ معطر ہے خوشِ جمال بھی ہے
یہ میسر بیٹے ہیں آدابِ زندگی کے امیں

یہ مسکے بیٹے ہیں ہر تازہ روشنی کے آئیں



یہ تینوں بہویں بھی شائستگی کا پیکر ہیں
ہیں یزد بار، اطاعت گزار، نیک صفت
وفا شناس ہیں اظہر ہو یا کہ نصرت ہو
وفا پرست رئیسہ بھی آپ اپنی مثال
یہ تینوں اپنی طبیعت میں خوش خصال بھی ہیں
یہ تینوں چشمِ سرودت ہیں، خوش جمال بھی ہیں



ہے اتحاد کی دولت سے گھر مرا آباد
خدا کا شکر ہے کوئی نہیں یہاں ناشاد



یہ میری بیٹیاں طلعت ہو یا کہ عشرت ہو
یہ اپنے گھر میں بہت مطمئن ہیں خوش خوش ہیں
ایک اور بیٹی محبت شناس زینت ہے
جو گھر کے سارے کینوں کے دل کی دھڑکن ہے
چمن میں رہتی ہے نسرتی و نسترن کی طرح

ہکتے جھومتے پھولوں کے پیرہن کی طرح



یہ نسل دوسری حاصل ہے میرے خوابوں کا
 شگفتہ پھولوں میں صرف ایک کہکشاں ہی نہیں
 شگفتہ پھولوں میں نسیم ہے گلخشاں بھی ہے
 شگفتہ نسیم میں مل جائیں گے نسیم و نسیم
 ہکتے رہتے ہیں ہر دم یہاں و نسیم و عظیم
 شگفتگی میں سہیل و یلان و فیصل بھی
 دکھائی دیتے ہیں اب فصل کی طرح ہر حال
 کہ جیسے دامن دریا میں کوئی آب رواں
 یہ ایسے پھول ہیں جن کی شگفتگی کے لئے
 نسیم صبح بہاراں پیام لاتی ہے
 بہارِ نو کے کئی گیت گنگنا تی ہے



یہ نسل دوسری نجم السحری ذیشاں
 یہ میرے نظم گلستاں کی پہلی خوشبو ہے
 وجود میں کا درخشاں ہے صبحِ نو کی طرح

یہ میری عظمیٰ^{۱۳} ہے خاموش، مہکی مہکی سی
جو اپنے نرم ملائم لبوں کی جنبش سے
تمام گوشہٴ محفل کو جگمگاتی ہے



یہ میری افشاں^{۱۴} ہے اک بھولی بھالی گڑیا سی
ہمیشہ اپنے کھلونوں میں مست رہتی ہے
یہ احتشام^{۱۵} ہے روشن چراغ گھر کا مرے
یہ پہلا پھول ہے گلشن کی سادگی کے لئے



فروزاں! شمعِ محبت کی روشنی کی طرح
تمام گھر میں اُجالے بکھیر دیتی ہے



یہ سیف^{۱۶} اور شبستاں^{۱۷} نئی سحر کی طرح
تمام گھر کے مسرت نواز لمحوں میں
شریک رہتے ہیں تابندہ روشنی کی طرح



ایک اور تازہ کلی گُلستاں میں چٹکی ہے

بنام شاہاں مہکتی ہوئی فضاؤں میں
ہمیشہ چاندنی بن کر فضاء میں چمکے گی
اسی طرح میری دنیا ہمیشہ دسکے گی

○

یہ میرا کنبہ ہے سرمایہ زندگی کا ہے
کہ جس کے دم سے مرے صبح و شام روشن ہیں
یہ سب کے سب ہی نگارِ جمالِ گلشن ہیں

○

-
- ۱۔ انجم کھکشاں ۲۔ نسیم زرخشاں ۳۔ شبنم کھکشاں ۴۔ رضی الدین شمیم
 - ۵۔ لائق الدین حسیم ۶۔ عتیق الدین وسیم ۷۔ شفیق الدین عظیم دختران و فرزندان
 - ۸۔ طلعت سلطانہ ۹۔ مصباح الدین شہیل ۱۰۔ مفتاح الدین فیصلہ ۱۱۔ صلاح الدین فیصل
 - ۱۲۔ حسن پال (فرزند عشرت عرفان) ۱۳۔ نجم السحر دیشاں (دختر سراج الدین سلیم)
 - ۱۴۔ عظمیٰ عارف (دختر شمس الدین عارف) ۱۵۔ بصیرت نور افشاں (دختر سراج الدین سلیم)
 - ۱۶۔ احتشام الدین عارف (فرزند شمس الدین عارف) ۱۷۔ قروڑاں (دختر منہاج الدین خسرو)
 - ۱۸۔ سیف الدین عارف (فرزند شمس الدین عارف) ۱۹۔ رحمت شہتال
 - ۲۰۔ شاداں منہاج (دختر منہاج الدین خسرو) ●●

کہاں گئے وہ لوگ ؟

(حیدر آباد)

اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
 کہ جس کی صبح سے نسبت ہے مجھ کو دیرینہ
 کہ جس کی شام سے اک رابطہ ہے صدیوں کا
 کہ جیسے بادِ صبا سے ہو رشتہ پھولوں کا



میں اپنے شہر کی تاریخ لکھنے بیٹھا ہوں
 اُس ایک شہر کی جو خوشبوؤں کے موسم میں
 مہکتا رہتا تھا، پیراہنِ غزل کی طرح
 جو آج تک بھی غزلِ خواں ہے اپنے اکل کی طرح



اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
 کہ جس کے شام و سحر اک حیاتِ نو کی طرح
 نگارِ جشنِ بہاراں سے گفتگو کے لئے
 نویدِ صبح کا پیغام لے کے آتے تھے

سحر سے پہلے چراغِ نطفہ جلانے تھے



اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
 جہاں کے لوگ ہمیشہ یہ شکلِ ساہنشاں
 معاشرے کی ہر اک موڑ پر فروزاں تھے
 فضاء میں نور کی سوغات لگے آتے تھے
 اندھیری راتوں میں تادیر جگمگاتے تھے



اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
 جہاں کے شاہوں کا اپنا تھا ایک طرزِ حیات
 ہمیشہ جن میں فقیرانہ بے نیازی تھی
 وہ شاہ ایسے، فقیری بھی جن پہ تازاں تھی
 وہ شاہ ایسے کہ جن پر رعایا قُرباں تھی
 وہ شاہ جن کی ہر اک دل پہ حکمرانی تھی



قلم ہے ہاتھ میں کاغذ پہ شکلیں ابھری ہیں
 کچھ ایسے صاحبِ کردار خوشِ جمالوں کی

کہ جن کے نغمے فضاؤں میں، رقص فرما تھے
 کچھ ایسے صاحبِ فکر و نظر، رئیسِ قلم
 تصورات میں پر چھائی بن کے ابھرے تھے
 شعور و فکر کے دریا بہاتے رہتے تھے

○
 قلم ہے ہاتھ میں کاغذ پہ نقش اُبھرے ہیں
 اُس ایک دور کے شفاف، پاک چہروں کے
 کہ جن کا فیضِ رواں، کُلفِ بیکراں کی طرح
 زمانہ گزرا مگر آج تک بھی جاری ہے

○
 وہ صبح و شام جو ضامن تھے پاک رشتوں کے
 وہ صبح و شام تھی جن کی نظرِ نظر روشن
 وہ صبح و شام تھے دل جن کے روشنی کے آئین
 وہ صبح و شام جو ہر لمحہ نور افشاں تھے
 وہ صبح و شام نہ جانے کدھر گئے ہوں گے
 وہ صبح و شام کہاں ہیں؟ بکھر گئے ہوں گے

اُس ایک شہر کی تاریخ لکھ رہا ہوں میں
 جہاں پہ عقل و فراست کی کامرانی تھی
 جہاں پہ تشنہ نگاہی کی پاسداری تھی
 خلوصِ باہمی و رشتہ میں مل گیا تھا جہاں
 جہاں پہ علم کے چشمے اُبلتے رہتے تھے
 یہ سوچتا ہوں میں اکتہ کہاں گئے وہ لوگ



زمین چھوڑ کے ہر گز کہیں نہ جائیں گے
 یہاں کی مٹی سے اپنا بھی ایک رشتہ ہے
 یہاں کی مٹی نے گودی میں ہم کو پالا ہے
 کہ جس میں اپنے بزرگوں کی سوندھی توتلو ہے
 کہ جس میں اپنے بھی پرکھوں کے دل دھڑکتے ہیں
 جو روشنی کی علامت تھے طر حدار بھی تھے
 شکستہ حال اگر تھے تو یا وقار بھی تھے



یہ بات سچ ہے کہ وہ شہر کی فضا نہ رہی
 وہی فضا جو ملی تھی ہمیں بھی ورثہ میں

مگر یہ کم بھی نہیں آج مل کے رہتے ہیں۔
 فحشی بھی رنج بھی آپس میں مل کے ہستے ہیں
 یہی تو شہرِ محبت کی اک روایت ہے
 یہی تو قیمتی اس شہر کی یہ دولت ہے
 ہم اپنے شہر میں صدیوں سے ملتے آئے ہیں
 اسی طرح یہاں صدیوں ملک رہیں گے ہم

○
 میں چل رہا تھا وقتِ گریزاں کے ساتھ ساتھ
 پھر بھی جدھر سے گزرا ترسا مانا ہوا

○
 جینا بھی ہے یہاں مجھے مرنا بھی ہے یہاں
 کب جیتے جی میں آپ کا در چھوڑ جاؤں گا

○
 اتنی زحمت نہ کریں آپ ہماری خاطر
 جن کی منزل ہے وہ خود ڈھونڈ لیا کرتے ہیں

○
 میں بے گنہ تھا قتل مرا ہو گیا مگر
 میرا وجود ویر و حرم میں بکھر گیا

سلسلہ



یہہ تخت جس پہ یہ صدا احترام بھیجی ہوں
عجیب طرح کا جذباتی اس سے رشتہ ہے
یہہ تخت وہ ہے عقیدت ہے جس سے برسوں کی
بہت سی یادیں ہیں وابستہ چشمِ نرم کی طرح



یہہ تخت میری رفاقت کا آئینہ بھی ہے
یہہ تخت میری لگاؤٹ کا سلسلہ بھی ہے
اسی پہ میں نے بہائے ہیں کتنے ہی آنسو
اسی پہ میں نے کئی قہقہے لگائے ہیں
اسی پہ میں نے دفاؤں کے گیت گائے تھے
یہیں چراغِ محبت کئی حبلائے تھے



یہہ سوچتی ہوں کہ ماضی کے دن بھی کیا دن تھے
تمام بھائی، بہن، ساتھ ساتھ رہتے تھے
ہر اک کے دکھ کا مداوا ہمیشہ رہتا تھا

ہر ایک مُسکھ میں بھی رہتے تھے سب کے شامل
 کسی کی آنکھ سے اک اشک بھی اگر ٹپکے
 تو جلد ہی کوئی دامن کہیں سے بڑھتا تھا
 یہ سوچتی ہوں کہ ماضی کے دن بھی کیا دن تھے

ملب



ان میں تُلّسی داس بھی، سعدی بھی تھے غالب بھی تھے
 کیسے کیسے لوگ اس بلے میں دب کر رہ گئے

زندگی کا نام لے کر کس کو ہم آواز دیں
 سارے گھاؤں سُو گئے ہیں موت کی آغوش میں

زلزلہ آنے سے پہلے ہم نے یہ سوچا نہ تھا
 آخر شب ساری شمعیں گاؤں کی بجھ جائیں گی

بارِ انِ رحمت



ہونٹ گر خشک ہیں، ہونٹوں پہ قری بھی ہوگی
 تشنگی عام سہی، پیاس بجھے گی اپنی
 اتنا کر لیجے یقین
 اتنے مالوس نہ ہوں

رحمتِ نیرِ داں پہ کھردر کیجیے



ہم نے دیکھا ہے یہاں کثرتِ بارِاں سے کبھی
 لہلہاتے، دئے کھیتوں میں حیاتِ ابدی
 زندگی بن کے اُجالوں میں بکھر جاتی ہے



ہم نے دیکھا ہے یہاں کثرتِ بارِاں سے کبھی
 کتنے تالاب، ندی، تلے اُمنڈ آتے ہیں
 کھیتیاں کتنی ہی سیراب ہوئی جاتی ہیں



ہم نے دیکھا ہے کہ بارش میں نہاتی ہوئی یہ خشک زمیں
کتنے ہی جوہرِ نایاب کو دیتی ہے اماں



جب کبھی خشک زمیں تشنہ بہ لب ہوتی ہے
بادلوں کا دلِ تابندہ پگھل جاتا ہے
مینہ برستا ہی چلا جاتا ہے



صدقِ دل سے کبھی بارش کی دعائیں کیجے
کوئی بھی پیاسا دکھائی نہیں دے گا ہم کو
زندگی رقصِ گناں آپ کو ہر موڑ پہ مل جائے گی
روشنی بن کے آجالوں کی تمثالے کر



آئیے مل کے کریں کثرتِ باراں کی دعائیں ہم سب
اتنے مایوس نہ ہوں
رحمتِ یزدان یہ بھروسہ کیجیے



دیر تک یوں ہی دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھائے رکھئے

یہ زمیں اور بھی ہو جائے گی سیراب یہاں
 پانی انسانوں کو سیراب کیئے دیتا ہے
 مہرباں ہم پہ ہے یہ، ماں کی دعاؤں کی طرح

نئے سال پر شمع



کل رات دیر تک میں یہی سوچتا رہا
 آئے گا سالِ نو بھی ہر اک سال کی طرح

کہاں رہوں میں اندھیروں میں یا اُجالوں میں
 ہر ایک سال یہی اک سوال کرتا ہے

ہم سہ چکے ہیں تشنہ لبی کے بہت سے زخم
 اب کے برس تو کوئی نہ پیاسا رہے یہاں

کتنے لمحے کٹ گئے ہیں انتظارِ صبح میں
 سالِ نو اب دیکھتا کروں کو لے کر آئے گا

سجادگی

○

یوں تو ہر اک رنگ میں ہیں لوگ زیرِ آسماں
آپ جیسے خوش سلیقہ لوگ کتنے ہیں یہاں

فطرتاً جو بامروت، پاک طینت، خوش نِصاں
عادتاً ہوں نیک سیرت، باسلیقہ، باکمال

دل متور ہوں، لب و لہجہ میں ہوشِ شائستگی
جیسے آتی ہو صبا، گلشن کو مہکاتی ہوئی

گفتگو سے جن کی آسراہِ خودی کھلتے رہیں
پُر اثر لہجہ سے جن کے علم کے دریا بہیں

چشمِ پیرِ نَم لے کے ڈھونڈیں بھی تو ملتے ہیں کہاں
تذکرہ ہوتا ہو جن کا داستاں در داستاں

چہرے پڑھ لیتا ہوں اتنی تو مجھے پہچان ہے
آپ کے چہرہ پہ بھی بندہ نوازیِ شال ہے

آپ ہیں اُس روضہِ اقدس کا ایسا سلسلہ
اک گلِ تر جیسے صحنِ گل میں ہو مہکا ہوا

جس کسی پر بھی نگاہِ خالقِ اہی جم گئی
 درد کی شمعیں عقیدت سے ہوئیں روشن کئی
 بارگاہِ علم و دین میں آپ ہیں شمعِ یقین
 تب کہیں بھا کر ہوئے ہیں آپ بھی مسد نشیں
 آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نورِ برساتی ہوئی
 خوش مزاجی آپ کی، محفل کو گرماتی ہوئی
 دھڑکنیں جلتی ہوئی شمعوں کی خاطر وقف کیں
 شہرِ گلبرگہ میں کتنی درس گاہیں کھول دیں
 ”شہرِ گل“ میں آپ کی خدمات بھی ہیں بے مثال
 علم و فن میں کٹ رہے ہیں آپ کے بھی ماہ و سال
 جل رہے ہیں آپ بھی شمعِ فروزاں کی طرح
 آپ ہر موسم میں ہیں فصلِ بہاراں کی طرح
 صوفیوں، سنتوں کے حلقوں میں بہت مقبول ہیں
 آپ بھی صحنِ گلستاں میں مہکتا پھول ہیں
 قوم کی خدمت میں روشن آپ کے بھی صبح و شام
 آپ کی صحبت میں جو بیٹھے ہوئے عالی مقام

آپ کا فیضان ہے خوشبو کے آنگن کی طرح
 آپ کی خدمات بھی ہیں روزِ روشن کی طرح
 آپ کو خدمات کا اعزاز مل جانے کے بعد
 اپنے رب سے سر جھکا کر اب یہی چاہوں گا میں
 آپ کو ہر حال میں احساسِ غم خواری رہے
 کوئی بھی موسم ہو ”خوشبو کا سفر“ جاری رہے



خود شناسی کی نظر ہے تجھ پہ سیلوں میں نہ جا
 اے متاعِ زینت! تو اُس بھڑ میں کھو جائے گی

اسبابِ بغاوت تو معلوم ہیں ہم کو بھی
 زنجیرِ وفا داری کس شخص کو پہنائیں

دستک نہیں دی جاتی یہاں ایسے بھی گھر میں
 جب چاہو چلے آؤ کہ دروازہ کھلا ہے

آننگن میں پہلا پھول

(بیٹی کی ولادت پر ماں کے تاثرات)



جس دن سے مرے گھر میں بھی اک پھول کھلا ہے
خوشیوں کا ہر اک جھونکا یہیں آ کے رُکا ہے
برسوں کی تمتاؤں کی تسکین کی خاطر
اللہ کے کرم نے مجھے یہ تحفہ دیا ہے
کیا ایسی کشش ہے کہ محبت کی نظر سے
ہر فرد مرے گھر کا تجھے دیکھ رہا ہے
روشن تری قسمت ہے یہ روشن ہی رہے گی
یہ میں نہیں کہتی ترے چہرے پہ لکھا ہے
لگتا ہے کہ سب خوشیاں سمٹ آئی ہیں یک جا
ماحول کا ہر لمحہ یہاں جھوم رہا ہے
تجھ سے نئی رونق ہے مرے خانہء دل میں
تو اک گلِ تر کی طرح آننگن میں کھلا ہے



اُگادی



پیغامِ نئی صبح کا پھر لائی اُگادی
 پھولوں کا لباس اور ہر کے اب آئی اُگادی
 اس سال بھی مہکی ہوئی عسی تازہ ہوا کو
 آنچل میں سمیٹے ہوئے لے آئی اُگادی
 لگتا ہے کہ دھرتی پہ نئی فصل اُگے گی
 آکاش کی جھرمٹ سے نکل آئی اُگادی
 تبدیلی موسم کا یہی وقت ہے شاید
 ماحول کے ہر ذرہ پہ اب چھائی اُگادی
 جنگل ہیں ہرے، باغوں میں پھر پھول کھلے ہیں
 سوغات نئے سپینوں کی لے آئی اُگادی
 وابستہ ہیں اس رات سے کسانوں کی اُمنگیں
 دامن میں ہرے کھیتوں کو لے آئی اُگادی
 ملہا رہے باغوں میں نئے چھوٹے پیرے ہیں
 سچ دھج کے کچھ اس طرح سے اب آئی اُگادی

پیغام ہیں گوگ سے کوئل کی ملا ہے
 موسم کا بھرم آنکھوں میں لے آئی اُسکادی
 سکھلانے زمانے کو سبق نیکی بدی کا
 اس سال نئی شکل میں پھر آئی اُسکادی
 مایوس نہ ہو اب کے برس کوئی بھی اے دست
 پوچھے نہ کوئی ہم سے کہ کیا لائی اُسکادی

خیر مقدم

آئے ہیں آپ اب بھی اُسی باتکین کے ساتھ
 کیا رشتہ طیف ہے ارضِ دکن کے ساتھ
 آپ آرہے ہیں شہر میں اک باتکین کے ساتھ
 ہم منتظر ہیں، آپ کے پہلی کرن کے ساتھ
 شاہین دل، نگاہ بلند، آئینہ صفات
 روشن ضمیر، چشمِ فردزا ہے تیری ذات
 پائی ہے کس نے آج اُجالوں کی رہ گور
 پھیلا رہی ہے نور کی چادر نئی سحر

کردار ہمارا



جب ظُلم سے ٹکراتا ہے کردار ہمارا
 کچھ اور سنوہ جاتا ہے کردار ہمارا
 پھولوں کا سفر ہو کہ وہ صحرَا کا سفر ہو
 ہر موڑ پہ مل جاتا ہے کردار ہمارا
 کچھ ایسی محبت ہے اُسے ارضِ دکن سے
 ہر ذہن کو مہکاتا ہے کردار ہمارا
 بن جاتا ہے خود پیا کئی تشہ لبوں کی
 یوں دل میں اُتر جاتا ہے کردار ہمارا
 کچھ بات ہی ایسی ہے اُدھر جاتی ہے دنیا
 جس سمت جدھر جاتا ہے کردار ہمارا
 وہ محفلِ احباب ہو یا بزمِ سیاست
 پیرِ عزم چلا جاتا ہے کردار ہمارا

جس وقت جہاں ہو گی مسحا کی ضرورت
 اُس وقت پہنچ جاتا ہے کردار ہمارا
 ایوان دہل جاتے ہیں اُس بزم کا کیا ذکر
 جو یوں لگ جاتا ہے کردار ہمارا
 آجاتی ہے جس وقت بھی منجدھار میں کشتی
 طوقاں سے بچا لاتا ہے کردار ہمارا
 لگھلاتی ہے ایوانوں کو جب گرمی تقدیر
 ہر سمت نظر آتا ہے کردار ہمارا
 جب عبرتِ اسلاف پہ بن آتی لبے دست
 میدان میں ڈٹ جاتا ہے کردار ہمارا

مشاعرہ

دانشوری ہے، علم ہے، سوغاتِ روح ہے
 تہذیبِ زندگی کا نشان ہے مشاعرہ

فکر و خیال، ذہنِ رسا، روشنی تمام
 تسکینِ ذوق، علم کی دولت مشاعرہ

تہذیبِ شعر، فکر کی دولت، مدائے دل
 روشنی کئی زمانوں کا سنگِ مشاعرہ

وہ ایک شخص



شگفتہ چہرہ شرافت مثال کہئے جسے
وہ ایک شخص کہ شمع خیال کہئے جسے
نظر شناس، محبت نواز کہئے جسے
رہنمائی فکر و نظر دل گداز کہئے جسے



وہ ایک شخص جو تہذیب آشنا کی طرح
ہمارے شہر میں آیا تھا روشنی کی طرح



وہ شخص جس نے اُجبالوں کی بستیوں کی طرح
ہمارے شہر کی دیوار و در کو چمکایا
وہ جس نے محفل شعرو ادب کو مہسکایا
ہم اُس کی نرم نگاہی کو یاد کرتے ہیں
یہ اسلئے کہ ہمیں اُس سے اک عقیدہ ہے
کہ اُس کے طرزِ مخاطب میں اک شرافت ہے





جہاں کہیں بھی شرافت کا ذکر آیا ہے
ہم ایسے وقت میں اُس ذی وقار ہستی کو
بڑے عتن سے، سلیقے سے یاد کرتے ہیں



دیوالی

دیوالی پھول بھی ہے موسم بہاراں بھی
دیوالی شمع بھی ہے زینتِ شبستاں بھی
جدھر بھی دیکھئے موسمِ بڑا سہانہ ہے
نئی بہار کے لب پر نیا ترانہ ہے
دیوالی چشمِ مرّوت بھی لطفِ پیہم بھی
دیوالی وقت کے ہونٹوں پہ اک ترنم بھی
دیوالی سب کے لئے ہے نئی سحر کی طرح
دیوالی سب کے لئے چشمِ معتبر کی طرح

ایک ایسا پھول بھی تھا



یہی ہے ریت یہی رسم ہے زمانے کی
ہمیشہ ایک سا موسم کبھی نہیں رہتا
کبھی خزاں کا چلن ہے تو فصل گل کا بھی



بہار میں آتی رہی ہیں چمن میں آئیں گی
مگر چمن میں کچھ ایسے بھی پھول کھلتے ہیں
کہ جن کی تازگی، شبہم کی آبرو کی طرح
تمام اہل گلستان کا حائزہ لے کر
فضا میں پھلتی جاتی ہے خوشبوؤں کی طرح



کچھ ایسے لوگ بھی آئے تھے شہرِ گشت میں
کہ جن کے لہجے سے شائستگی ٹپکتی تھی
کہ جن کی گفتگو پھولوں کا نام لے لے کر
ہر ایک دل میں اُترتی تھی کہکشاں کی طرح

ہر ایک دل میں وہ رہتی تھی ہیراں کی طرح
 ایک ایسا پھول بھی تھا شہرِ گل کے دامن میں
 مہک رہا تھا جو گلیوں میں شاہراہوں میں
 مہک تھی جس کی قطب شہہ کی سرزمین کی طرح
 مہک تھی جس میں کسی مہ جیسے جس کس طرح

عید کی سوغات



دفا کی پیلا کی خوشبو ہے عید کی سوغات
 کہ ہو رہی ہے ہر اک سمت نور کی برسات
 یہ کس کے قدموں کی آہٹ سے پھول کھلتے ہیں
 شگفتہ رشتے یہاں صبح و شام ملتے ہیں
 جہاں کہیں بھی تری عید ہوگی اگلے سال
 کچھ اور نکھرے گا شائستہ زندگی کا جمال

نواب بہادر یار جنگ بہادر



آگیا ہوں در پہ میں دستکِ دوں کس کے نام سے
 یوں بہت کچھ قائدِ ملت پہ لکھتا ہے مجھے
 کس طرح لکھوں میں کس کے نام سے آوازِ دوں
 چلتے چلتے رک گیا ہے آج کاغذ پر قلم
 شخصیت ہی ایسی کچھ ہے فیصلہ کیسے کروں
 قائدِ ملت کہوں یا عاشقِ خیرِ الاُمم



روشنی کا نامِ دوں یا نہ زندگی کا بانگین !
 قوم کے خوابوں کی اک تعبیر یا نورِ سحر
 یا کہوں میں اک مسیحا یا امیرِ کارِ و ال
 مردِ مومن، بندہٴ حُر یا قلمدارِ یافقیہ
 عظمتِ ارضِ دکن یا رہنمائے بے مثال
 پھول، شبنم، نکہتِ گل، موسمِ گل کا نکھار

چشمِ نم، بادِ صبا کہدوں کہ میں فصلِ بہار
 شخصیت ہی ایسی کچھ ہے فیصلہ کیسے کروں
 قائدِ ملت کہوں یا عاشقِ خبیہ الامم



ایسے اب ملتے کہاں ہیں قوم میں روشن ضمیر
 جن کی آنکھوں میں چمک اسلاف کی تاریخ کی
 جن کے چہروں پر فرشتوں جیسی ہر معصومیت
 جن کے شائستہ لب و لہجہ میں ہر اک تازگی
 جن کے ہلکے سے تبسم میں ہو پھولوں کا جمال
 جن کی باتوں میں ہو شامل زندہ قوموں کا جلال



ایسے اب ملتے کہاں ہیں قوم میں روشن ضمیر
 جن کی خوشبو شہر کی گلیوں میں بازاروں میں ہو
 جن کی خوشبو مفلس و نادار انسانوں میں ہو
 جن کی خوشبو وقت کے حالات کے ماروں میں ہو
 جن کی خوشبو ذہن میں ہو دل کے کاشانوں میں ہو



ایسے یوسف اب کہاں ہیں مصر کے بازار میں
جذب ہو جائیں جو قوموں کے نئے کردار میں
چلتے چلتے رک گیا ہے آج کا غنڈہ پر قلم
قائدِ ملت کہوں یا عاشقِ خیرِ الامم



وہ شگفتہ پھول جو تھا گلستاں کی آبرو
جس کی بھیننی بھیننی خوشبو سے معطر تھے دماغ
جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہلتا رہا سب کو سکوں
جس کے پیچھے قوم کا اک قافلہ چلتا رہا
شمع بن کر دوسروں کے غم میں جو جلتا رہا
رات دن جس سے معطر تھی دکن کی سڑکیں
آفتابِ تازہ بن کر جو چمکتا تھا یہاں
مردِ مومن کی طرح جو نورِ برساتا رہا
ایسا اک پُر نور ہادی ایسا اک عالی مقام
ہو گیا اک روز وہ کبھی کالی راتوں کا شکار
سازشی لوگوں کی زد میں آ گیا اک ماہتاب
مکر، سفاکی، فریبِ زہر سے گھٹا گیا

شہر میں پھر ایک نور شید درخشاں بُجھ گیا



صاحبِ ایمان ایسا رہنماب ہے کہاں
اب قیادت کے لئے کوئی نطر آتا نہیں
یوں تو کہنے کو بہت ہیں جاں نثارانِ وطن
قائدِ ملت کا ثانی ہے کہاں ارضِ دکن؟



صبحِ آزادی اُجبالوں کی قمانت تھی مگر
اس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی
کب مرا ٹوٹا ہوا گھر پھر مکاں ہو جائے گا
کب نہ میں یہ رہنے والا آسماں ہو جائے گا
آپ تو جائیں گے لیکن میں نے یہ سوچا نہ تھا
نہ زندگی کا ہر سہارا بے زباں ہو جائے گا
ٹوٹا ہے دل کا آئینہ ترکِ وفا کے بعد
اب زندگی کے کوئی مقابل نہیں رہا

وصیت

(عابدہ علیخاں)



وصیتِ اس لئے کی ہے کہ لوگو!
خود پرستی، خود ستائی
خود پسندی کا جہاں بھی سلسلہ جاری ہو
ٹرک جائے



وصیتِ اس لئے کی ہے کہ یہ دنیا تو فانی ہے
یہاں پہ رہنے والے
سب کے سب لاچار دیے بسا ہیں
حیاتِ جاوداں کس کو ملی ہے
بس اک اللہ ہی کا نام رہ جائے گایا قی



یہہ رہتے، مرتبے
یہہ کب ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں

جب انساں اپنی ہی پہچان میں غلطیاں پریشاں ہو
 جب انساں خود شناسی کے بھنور میں پھنستا جائے گا
 وہ خود کو یاد رکھے گا
 خدا کو بھول جائے گا



دھیت اس لئے کی ہے کہ لوگو!
 اپنا اپنا جائزہ لے لو
 یہہ سوچو کیا کیا تم نے
 یہاں کس چشمِ نم
 کس دیدہٗ پُرِ نم سے تم نے گفتگو کی ہے
 یہاں کس مستحق، مظلوم کی حاجت روائی کی
 سہارا ایسے کتنے بے زباناں، خود دار لوگوں کو
 دیا تم نے

جو اپنی نظر میں تم پر ہی جا بیٹھے ہیں برسوں سے



یہاں برسوں سے آنسو بہہ رہے ہیں غمگ آئینوں سے
 یہاں پر کس نے اُن کو لے ڈھوئے

رشتوں کو جوڑ رہے
 ہواک حرفِ تمنا کی سزا پر اشک افشاں ہیں
 یہاں پر کہتے ہی بے مطمئن لوگوں کے ہونٹوں سے
 ہنسی چھینٹی گئی ہے تم کو ہے معلوم
 بتاؤ کیا کیا تم نے

○
 کچھ ایسے لوگ ہیں بے نام سے گمنام سے
 دردِ بھٹکتے ہیں
 بتاؤ کیا کیا تم نے
 بتاؤ تم نے کیا اُن بے زبانوں کا تبسم
 اُن کو لوٹایا

○
 سہارا کون دیتا ہے اُنہیں جو اپنے قدموں پر
 کھڑے رہنے کی خواہش میں
 بسر کرتے ہیں ساری عمر اُن بے سائبان
 کچے مکانوں میں

وصیت اس لئے کی ہے کہ
ساری شان و شوکت ایک لمحہ کی امانت ہے
نہ اپنے آپ کو دنیا کی آلائش میں اُلجھاؤ



وصیت اس لئے کی ہے کہ جب دنیا سے اٹھ جاؤں
مرے حق میں دعائے مغفرت کرنا
کہ مجھ عاصی پہ بھی رحمت کی بارش ہو
گنہ دہل جائیں میرے
صاف ستھری شکل لے کر میں
خدا کے خاص بندوں میں رہوں تو رنظہ بن کر
خدا کے خاص بندوں میں رہوں تو رنظر بن کر



رسول اللہ کا دربار ہو
میں بھی رہوں اُن پاکہ بینوں میں
غلام مصطفیٰ بن کر

یہی ہے آرزو میری
وصیت اس لئے کی ہے

فقیر آشنا بن کر
یہی میری تمنا ہے

زمین پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح
(عابد علی خان)



ہر ایک رُت میں جو ملتا تھا مہرباں کی طرح
پہوائیں لے اُڑیں اُس کو بھی بادِ باں کی طرح
بلندیاں اُتر آتی تھیں جس کے آنگن میں
زمین پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح
اچانک آپ کا محفل سے اس طرح جانا
کبھی یقیں کی طرح ہے کبھی گمراہ کی طرح
ہمیں تو کوئی نہ مطلب تھا دھوپ چھاؤں سے
ہمیشہ رہتا تھا اک شخص سائباں کی طرح
تلاش کرتی ہے اب اُس کو آبلہ پائی!

جو شخص کل تھا یہاں میرِ کارواں کی طرح
مسافرانِ شبِ غم کی بہتری کے لئے
تمام رات وہ رہتا تھا کہکشاں کی طرح
وہیں پہ رکتے تھے نیلے تھکے تھکے سے قدم
کہ اُس کا در تھا فقیروں کے آستیاں کی طرح

خِرَاجِ عَقِيدَتِ

نذرِ عابدِ علیخاں



ہر ایک شخص کا چہرہ یہاں سوالی ہے
یہ کس کی داستاں گلشن میں ڈالی ڈالی ہے

سجی ہے بزم تو محسوس ہو رہا ہے ہمیں
فلک کے زینوں سے خوشبو اترنے والی ہے

بہت سے لوگ تو بیٹھے ہیں تشہ نشیں یہ مگر
وہ ایک خاص جگہ اب بھی خالی خالی ہے

عطا کیا ہے اُسی نے ہمیں شعورِ سفر
کہ جس کے قدموں کی آہٹ بھی اک مثال ہے

دماغ ہی کا نہیں اس سے دل کا رشتہ ہے
ہمارے پُرکھوں کی تہذیب ہی نرالی ہے

اُسی کے تلم سے نہ ستر سجی ہے بزمِ سخن
فروغِ اردو کی بنیاد جس نے ڈالی ہے

کتبے کے اشعار



ہے کون زینتِ فردوس، محو خواب یہاں
برس رہی ہے ہر اک لمحہ رحمتِ زنداں



ماں پر رسولِ پاکؐ سخی چشمِ کرم رہے
جب تک کہ صبح و شام کی آغوشِ نعم رہے



چھائی ہوئی ہے قبر میں اک رحمتِ تمام
اونچا بہت ہے آپؐ کا فردوس میں مقام



جن کی تمام عمر بھلائی میں کٹ گئی
اُن کے لئے دعا ہے خدا مغفرت کرے



جس وقت روح آپؐ کی پرواز کر گئی
دل میں خدا تھا، ہونٹوں پہ ذکرِ رسولؐ تھا



اس قبرِ تروتازہ کو مہکانے کی خاطر
ہر صبح چلی آتی ہیں جنت کی ہوائیں

○
 آتی رہے ہر لمحہ میں خوشبوئے مدینہ
 ہے آٹری یہ جنتیِ اِساں کا ٹھکانہ

○
 ہکاتے رہنے مرقدِ عظمت مقام کو
 آتی ہے تازہ خوشبو مدینے سے صبح و شام

○
 کل رات کلمہ پڑھتے ہوئے جس نے جاں دی
 وہ نام لکھ رہا ہوں میں لوحِ مزار پر

○
 یہ چھوٹا سا کرشمہ ہے مری جنتِ نشاں ماں کا
 کہ صبح و شام اس مرقد میں بھی پھولوں کی خوشبو ہے

○
 ہر صبح کو آتے ہیں دعاؤں کا فرشتے
 پھیلی ہوئی مرقد میں ہے خوشبوئے مدینہ

○
 آندھی حیاتِ تازہ میں سمجھ اس طرح چلی
 شمعِ فردزاں وقت سے پہلے ہی بجھ گئی

○
 پروردگار! دیکھ اسے فردوس میں مقام
 معصوم، بے گناہ یہ ہو رحمتِ تمام



جب تک کہ ہی حیات بہت مہر خور رہے
 نیکی کے ساتھ عمر کٹی اس طرح جیسے
 دربار مصطفیٰؐ میں طلب جیسے ہی ہوئی
 قرآن پاک پڑھتے ہوئے جاں بہ حق ہوئے



کون قاتل ہے یہاں اپنے رفیقوں کے سوا
 سب بھلے لوگ ہیں کس کس کو سزا دی جائے

میں کس کے واسطے خود کو سمیٹ کر رکھوں
 یہ جہنم تمہارے مرے گھر میں کون آتا ہے

شائستہ فرامی میں کبھی فرق نہ آیا
 یہ لغزشیں یا بھی تری چاہت میں ملی ہے

گاندھی جی

○
 اصول، راستی، انسانیت، رواداری
 شعور و آگہی، فکر و نظر کی بیداری
 دلوں میں درد، شرافت، شعورِ آزادی
 وطن سے پیار، شہیدوں کا طرزِ سرشاری

○
 یہ ساری باتیں کتابوں میں رہ گئیں محفوظ
 عمل میں آتی کہاں ہیں، دکھائی دیتی ہیں
 کچھ اپنے نیتا کی پُر جوش سی خطابت میں
 کچھ اپنی قوم کے خود غرض رہنماؤں میں

○
 مگر میں ان دلوں پہ سوچ کر ہشیاں ہوں
 چین میں رہ کے بھی شیرازہ گلستاں ہوں
 یہ سوچتا ہوں کہ کب سُرخِ شفق ہوگی
 مرے وطن مرے ہندوستان کے ماتھے پہ



عظیم رہنما! بابائے قوم، گاندھی جی
عظیم رہنما! کس نام سے پکاروں تمہیں
اندھیرا چاروں طرف ہے اُجالا کم کم ہے
میں کشمکش میں ہوں اب کس کو رہنما سمجھوں



اگر میں نام لوں اس دور میں شہادت کا
شکستہ حال غریبوں کا بے سہاروں کا
یہ دنیا چین سے ہرگز نہ رہے دے گی مجھے
تمام عمر میں پیاسہ رہوں گا محفل میں
سکون جیسی کوئی شے نہ پاؤں گا دل میں



اگر میں نام نہ لوں گا مہاتما کا یہاں
میرا قمیض مجھے بار بار ٹوٹے گا
نہ جانے کب کہاں کس وقت میرا تھوڑا سا
نہ جانے کتنے ہی معصوم بے گناہوں کا
تمام شہر کی گلیوں میں شاہراہوں پر

عزیزو! دن کے اجالوں میں خون ٹپکے سوا
 یتیم ہو گئے کئی بچوں اپنے آگن میں
 رہے گا خوف بہو بیٹیوں کی عصمت کا
 درویدی کے تحفظ، جمالِ غفلت کا



اگر میں نام نہ لوں گا مہاتما کا یہاں
 نہ جانے کب یہاں کس وقت میرے دامن پر
 یہ نام ظلم، لہو، دارغین کے ابھرے گا
 بہت سی چادر میں سے سر اُتی جائیں گی
 کہاں ملے گا سہاگن کی مانگ کا سینہ دور
 نئی تو بلی کئی دھنوں کے آنچیل کو
 اُچھالا جائے گا مسموم سی فضاؤں میں
 اُچھالا جائے گا بے تر سے خلاؤں میں



یہ سوچ میں ہوں کہ گا مذہبی کا نام لوں کہ نہ لوں
 اگر میں نام نہ لوں گا تو یہ بھی ممکن ہے
 کہ وید، گیتا کا قرآن کا نام لے لے کر

بہکتے جھومتے کتنے ہی سکاؤں اُجڑیں گے
 بہت سے شہر اُجالوں کی جو ضمانت تھے
 پلک جھپکتے ہی ویرانیوں میں بدلیں گے
 بڑھے گی فرقہ پرستی کی گرم بازاری !
 نہ ہو گا دل میں کوئی احترام چاہت کا
 جھکے گا سر یہاں ہر شہر کی رہدایت کا



یہ سوچ میں ہوں کہ گاندھی کا نام لوں کہ نہ لوں
 عجیب درد ہے، اُلجھن میں کٹ رہی ہے حیات
 معاشرہ میں بتاؤ کہ کس طرح سے رہوں
 جیوں گا دوستو! کس طرح ایسے عالم میں
 میں تم پہ چھوڑتا ہوں آج فیصلہ دل کا
 تمہیں تو ہو گا پتہ روشنی کے قاتل کا



بد نصیبی دیکھئے آوارہ گانِ شہر کی
 اپنی گلیاں چھوڑ کر اوروں کے گھر جانے لگے

اندیشہ



تمہیں ہو کہ وہ رفعت ہو یا ترنم ہو
 جمیل ہو کہ صبح ہو یا کہ شبنم ہو
 نفیس ہو کہ کویتا ہو یا کہ سریم ہو
 قریبی دوست تمہارے ہیں جانتا ہوں میں
 جو تم سے ملتی ہیں کالج میں روشنی کی طرح
 جو تم سے ملتی ہیں کالج میں زندگی کی طرح



سہیلیاں ہیں تمہاری شگفتہ ناشائستہ
 کہ جن کی گفتگو ذہنوں کی روشنی کی طرح
 ہر ایک گوشہ فکر و نظر تو مہکا کر
 شرافتِ نگہ و دل کا درس پاتی ہے
 دکن کی دیرینہ تہذیب جگمگاتی ہے



قریبی دوست تمہارے ہیں جانتا ہوں مگر
 کیا ہے تم نے غلط فہمیوں کا اُن کو شکار
 دکھائی ہے مری تصویر دھندلی دھندلی سی
 نہ جانے کس لئے کس جرم کی سزا کس لئے

○
 قیاس میرا ہے تم نے یہی کہا ہو گا
 وفا کی راہوں سے ہٹ کر کبھی چل رہا ہوں میں
 پرانی آگ میں لے دو چہ چیل رہا ہوں میں

○
 معاشرے میں ہیں جو لوگ تشنہ لب کی طرح
 وہ جانتے ہیں کہ میں بھی اک ایسا شاعر ہوں
 جو سب کی پیاس بجھاتا ہے اپنے اشکوں سے

○
 مرہ تو جب ہے جیئیں ہم بھی دوسروں کے لئے
 حیاتِ تازہ کا مقصد ہو روشنی کے لئے

○
 یہ تم بھی جانتی ہو ایک ایسا شاعر ہوں
 خلوص بانٹتا رہتا ہوں ہر قبیلے میں
 کچھ ایسے لوگوں سے میرا بھی گہرا رشتہ ہے
 جو زندگی کے ستارے ہوئے پریشاں ہیں
 حوادث میں جیتے ہیں، چشمِ گریاں ہیں

○
 یہ میرا جرم ہے شاید ہر ایک موسم میں
 مہکتا رہتا ہوں موسم کی تازہ خوشبو سے
 یہ میرا جرم ہے شاید کہ زخمی دل کی طرح

ہر ایک دیدہ پُر نعم سے میرا رشتہ ہے
ہر ایک چشمِ فروزاں سے سلسلہ سا ہے



تھمارے دوست ہوں یا لکچرر اس کا لچ کے
”یہ کیسا رشتہ ہے“ پڑھ کر یہ تبصرہ کرنا
کہ شاعری میں ہے جذبات کی فراوانی
کہ شاعری میں ہے شاعر کا خونِ دل شامل
کہ شاعری اثر انگیز ہے مگر پھر بھی
گمّان ہوتا ہے شاعر نے بے وفائی کی
اُس ایک شخص سے جو اُس کا ہے گلِ تازہ
جو آج تک بھی ہے مانندِ حرفِ تابندہ



گمّان ہوتا ہے شاعر نے بے وفائی کی
اُس ایک شخص سے جو رات رات بھر حل کر
کسی کے بچتے ہوئے دل کو روشنی دی تھی
کسی کے غمزدہ چہرہ کو تازگی دی تھی



”یہ کیسا رشتہ ہے“ پڑھ کر یہ تبصرہ کرنا
کہ میں نے کتنے ہی نازک لطیف رشتوں کو
سمجھ نہ پایا، پذیرائی بھی بہت کم کی





کچھ ایسے رشتوں سے منسوب ہو گیا ہوں میں
 جو اپنے رہ کے بھی اپنے کبھی نہیں ہوتے
 کچھ ایسے رشتوں سے وابستہ ہو گیا ہوں میں
 جو سیری زلیت کی پاکیزہ کی کو چھوٹے ہوئے
 مہکتے جھومتے آتے تو تھے نہ جانے کیوں
 کتابِ ماضی کا بکھرا ہوا ورق کہہ کر
 بہت ہی تینہ ہواؤں میں اُن کو چھوڑ دیا
 بغیر جرم و خطا کیوں سزا کی باتیں ہیں
 اگر بہ غور کرو گے مطالعہ میرا
 پتہ چلے گا کہ شائستہ زندگی کیا ہے
 پتہ چلے گا مری شاعری کی دھڑکن میں
 وفا کی پیار کی مہکی ہوئی سسی خوشبو ہے



یقین کیجئے مری شاعری کو پڑھ پڑھ کر
 جو دل زدہ ہیں غمِ عشق کے ہیں مارے ہوئے
 وہ اپنے ماضی کے اوراق اُٹھتے جاتے ہیں
 یہ جاننے کے لئے زندگی کے وہ لمحے
 جو اب بھی سایہ کی مانند ساتھ رہتے ہیں
 وہ پھر سے لوٹ کے کب آئیں گے خدا جانے



○
 میں چاہتا ہوں مری شاعری کو پھر سے پڑھیں
 یہ جاننے کے لئے اُس میں کتنے آنسو، میں
 یہ جاننے کے لئے کتنے دل دھڑکتے ہیں

○
 کسی سے میں نے کبھی کوئی بے وفائی نہ کی
 مری حیات ہے شفاف آئینے کی طرح
 ہمیشہ رشتوں کا میں نے بھرم ہی رکھا ہے
 دکھی دلوں کا کیا ہے مداوا میں نے بھی

○
 اُس ایک شخص سے اکثر یہی میں کہتا ہوں
 کہ زندگانی کی راہوں میں آنسوؤں کے سوا
 بڑا ہی کیا ہے کسی اہل غم، دکھی دل کو
 بڑا ہی کیا ہے سمندر سے ایک ساحل کو

○
 ہے مشورہ یہ کسی کا کہ اُن سے دور رہوں
 جو مجھ سے حریف صداقت کی طرح ملتے ہیں
 کہ جن کا قریب مری زندگی کے پیل پیل کو
 بدل نہ دے کہیں افسردہ دوستی کی طرح

شراب بندی پر متفرق شعر



یہ پہلا پہلا قدم ہے سنبھالیے خود کو
شراب زہر ہے اس سے بچائیے خود کو



وہ جس کے شہر میں دانشوری کے چرچے تھے
وہ شخص مر گیا کل شب، شراب خانے میں



کہاں پہلے کے ہیں اپنا یہ بہت سرحباؤں
اتر گئی مری پگڑی شراب خانے میں



یہ کیسے اہل محلہ ہیں جانتے ہی نہیں
شراب خانے سے نکلا تو اجنبی ٹھہرا



میں لڑکھڑاتے ہوئے گھر تلک نہ پہنچوں گا
شراب زہر ہے اتنی تہاب پلاؤ مجھے



دل دھیر ہی نہیں جسم سارا گلے لگا
کہاں سے دوستو ایسی شراب لائے ہو



یہ لڑکھاتے قدم اور یہ سُرخ سُرخ آنکھیں
یہ سارے لوگ کسی میکدے سے آئے ہیں



عجیب طرح کا رشتہ ہے پھر بھی سُن لیجے
شرابِ زہرِ ہلاہل ہے اور کچھ بھی نہیں



حالاتِ کم بہت پہلے ہی کی پینے سے تو یہ
کوئی بھی بلاتا نہیں مئے خوار سمجھ کر



تمہاری طرح سے میں بھی گلاب جیسا تھا
شرابِ نوشی نے بریاد کر دیا مجھ کو



○
 لگی ہے آگ کچھ ایسی دل و جگر میں مرے
 تمام جسم جلا ہے شراب پینے سے

○
 حالات نے اس موڑ پہ پہنچایا ہے مجھ کو
 مئے خانے سے باہر میں کہیں جا نہیں سکتا

○
 تمام رات مئے ارغواں پلا کے مجھے
 کسی نے لا کے تمھاری سگلی میں چھوڑ دیا

○
 کلیوں کے لب پہ جم گئی موسم کی تشنگی
 پھولوں کے زخم جیب بھی چین در چین رہے

○
 محبت درمیاں ہے دوستو الزام کس کو دوں
 ادھر دست زلینا ہے اُدھر یوسف کا دالا ہے

○
 تنہا نگاہِ شوق کو مجرم نہ جانئے
 اس حادثہ میں دل بھی برا بہ شریک ہے

پھولوں کی داستاں ہے ہندوستان ہمارا



پھولوں کی داستاں ہے ہندوستان ہمارا
تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا



خوشبو بہک رہی ہے پھولوں کے پیرہن سے
آنکھوں میں تازگی ہے رنگینی چمن سے
گلشن کی کیا ریوں میں بادِ صبا چلی ہے
ہر اک کلی چن کی انگریزی ہے رہی ہے



پھولوں کی داستاں ہے ہندوستان ہمارا
تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا



یونہی رہے گی باقی اپنے وطن کی عظمت
حُبِ وطن سلامت کیا جان کی حقیقت
نظریں ملیں آج سے اک زندگی کی خاطر

ظلمت نے مُنہ چھپایا اک روشنی کی خاطر



صدیوں سے پاسبان ہے ہندوستان ہمارا
تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا



ہیں وقت کی امانت ہم وقت کی صدا میں
بٹھکے ہوؤں کے حق میں ہم خضر بادشاہ میں
بکھرا ہے میں ہر سُو ہم روشنی وطن کی
ہم کو بخور دیکھو رونق ہیں انجمن کی



سب پر یہ مہربان ہے ہندوستان ہمارا
تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا

○
اسی لئے ہی تو ذہنی تھکن نہیں ہوتی
ترے خیال کی خوشبو سفر میں رہتی ہے



وفا کی آخری منزل ہے شاید
بڑی شکل سے آنسو پی رہا ہوں

میکر پیارے وطن! میکر ہندوستان



میکر پیارے وطن میکر ہندوستان
تیری خوشبو سے ہمارا ہے گلستان



پھر سے انگڑائیاں لے کے آئی بہار
ہے چمن کا ہر اک گوشہ اب لغتہ بار
صبح روشن سے ہے زندگی کا وقار
شب کی زلفوں میں بکھری ہے اب کہکشاں
میکر پیارے وطن میکر ہندوستان



میکرے میں نہ اب کوئی پیاسہ رہے
چشمِ ساقی سے ہر اک شناسا رہے
خوش لب سے ہر پھول تازہ رہے
سب پہ یکساں رہے تیرا فیض رواں
میکر پیارے وطن میکر ہندوستان

○
 ایک آواز ہر انجن میں رہے
 سرفروشی اُسی بانگین میں رہے
 تیری مٹی کی خوشبو کفن میں رہے
 تیرے قدموں میں ہے زندگی کا نشان
 میرے پیارے وطن میرے ہندوستان

○

بنار شکِ فردوسِ ہندوستان
○

بنار شکِ فردوسِ ہندوستان
ہمکنے لگے ہیں زمیں، آسماں

○

محبت، مروت کی یہ سرزمین
ہر اک ذرہ دلکش ہر اک شے میں

○

ہر اک نغمہ جالِ فردا، دلنشین
زمین پر اتر آئی ہے سہکشاں
بنار شکِ فردوسِ ہندوستان

○

ہے پھولوں کے رخسار پر تازگی
فسردہ دلوں کی بچھی تشنگی
خود اپنے پہ نازاں ہے اب زندگی
ہر اک رت میں بڑھنے لگا کارواں

بنار شکِ فردوسِ ہندوستان



چمکنے لگی آج اَرْضِ وطن !
 چمکنے لگی انجمن، انجمن
 سنورنے لگا آج حُسنِ چمن
 رگِ گلِ میں ہے آج خونِ رواں
 بنار شکِ فردوسِ ہندوستان



ہر اک سمت پھیلا ہے نورِ سحر
 چمکنے لگے ہیں سبھی بام و در
 اُجالوں میں لپٹی ہر اک رہ گزر
 ہر اک گھر میں بختی ہیں شہنائیاں
 بنار شکِ فردوسِ ہندوستان

ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



ہم کو پیارا اپنا وطن ہے
پھول کئی ہیں ایک چمن ہے



شبم شبم اپنے آنسو
گلشن گلشن اپنی خوشبو
زقعاں صحن چمن میں کرتی ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



جب بھی چمن ویران ہوا ہے
ہم نے دل کا خون دیا ہے
جب بھی ہمارے ہوتے پلے ہیں
ویرانوں میں پھول کھلے ہیں
ہکا ہکا پھول بدن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



آؤ! وفا کے پھول کھلاؤں
 اندھیاروں میں دیپ جلاؤں
 رشتہٴ دل گر ٹوٹ بھی جائے
 اپنی وفا پر حرف نہ آئے
 اپنی نظر میں حُسنِ چین ہے
 ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



عزمِ سفر ہے منزلِ منزل
 نورِ سحر ہے محفلِ محفل
 راہِ وفا میں چلتے رہیں گے
 بڑھتے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے
 عزمِ جواں ہے سر پہ کفن ہے
 ہم کو پیارا اپنا وطن ہے



مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن



مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن
بکھر نہ جائے زندگی کی داستاں کرن کرن



روش روش، قدم قدم مہک رہے ہیں گلستاں
صبائے خوش خرام کے گزر رہے ہیں کارواں
زمین پہ آسمان سے اتر رہی ہے کہکشاں
کسی طرح بھی کم نہ ہو مرے وطن کا باتکین
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن



جوان غم کی قسم! جوان خون کی قسم
وفا کی رہ گزار پر اٹھے گا میرا ہر قدم
نظر نہ آئیں گے کبھی یہ راستوں کے پیچ و خم
ہوائے گرم سے کبھی مجھے نہ شمع انہن
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن





نظر کی روشنی تو کیا میں دل کاخوں بہاؤں گا
 روشِ روشِ یہ پیار کے کئی دیئے جلاؤں گا
 قدم قدم پہ عظمتِ وطن کے گیت گھاؤں گا
 لبوں پہ مسکراہٹیں ہیں سر پہ ہے سر کفن
 مجھے بہت عزت ہے مرا وطن مرا وطن



وہ بہت یاد آئے تیر جن کے بازو کٹ گئے
 پرچمِ صبحِ وطن جس وقت لہرائے گئے



فرزانگی نے کتنی ہی صدیاں گزار دیں
 دیوانہ ایک لمحہ میں وہ کام کر گیا



گمانِ دوہم کی منزلِ آپ کا ملنا
 تمام عمر کا حاصل ہے کیا کیا جائے

مُتَفَرِّقِ اشْعَار

○

دامن پہ بھیگی پلکوں کی تحریروں پر چھوڑ کر
وہ شخص جاتے جاتے بھی احسان کر گیا

دیوانگی شیریں کی محبت میں ملی ہے
یہ کوہ کئی ہم کو وداشت میں ملی ہے

کب ہم تھے یہاں پہلے، نظر والوں میں شاہ
یہ خوش نظری آپ کی چاہت میں ملی ہے

جس کا دنیا میں کہیں بھی نہ ہوتا فی دے دے
جاتے والے اب مجھے کچھ ایسی نشانی دے دے

تھک کے پھر بیٹھ گئی آج زلیخائے وطن
میر مالک! تو اُسے پھر سے جوانی دے دے

میں تری ہزم تبسم سے بڑی مشکل سے
آبرو دیدہ پر نعم کی بچا لایا ہوں

زندگی ایوں نہ مجھے چھوڑ کے جانا تنہا
اک نظر دیکھ لے میں بھی تیرا ہمسایہ ہوں

●

خوش نظر ہوں اس لئے رہتی ہے ہیروں پر نظر
پتھروں سے اپنا گھر بھرنا نہیں آتا مجھے

چھوڑ کر اپنا مکان اب میرا گھر دیکھے گا کون
میرے پلکوں کی نئی وقتِ سحر دیکھے گا کون

تم تو چشمِ نم کو ہاتھوں میں چھپا کر لے گئے
میں کھڑا ہوں جس جگہ اس موڑ پر دیکھے گا کون

ہم تو محرابِ نصیب ہی ٹھہرے
تیرا کیا ہو گا اے ”سُکُلِ تازہ“

خلوصِ بانٹنا میں سب کے گھر گیا لیکن
تم آج آئے ہو جب میرا ہاتھ خالی ہے

تعلقات کو ٹوٹے ہوئے زمانہ ہوا
وہ اک نگاہ مگر آج بھی سوالی ہے

مسند نشین ہوں آج تو حیرت ہے کس لئے
فرشِ نگاہِ دوست بھی برسوں رہا ہوں میں

باد صبا کی طرح جو چھو کر گزر گئی
 اب بھی اُسی نگاہ کا اک سلسلہ ہوں میں
 ہر زخمِ اپنی ذات کا آپس میں بانٹ لیں
 ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن رہے
 نظر ملا کے کہاں تم نے ساتھ چھوڑ دیا
 وہ بے قرار نگہ آج تک بھی پیاسی ہے
 جب آپ کے چہرے پر یہ کوئی زخم نہیں
 کیوں آئینہ ہاتھوں سے مرے چھوٹ رہا ہے
 وہ فرس گُل سے بھی ہٹ کر کبھی چلا ہو گا
 کہ اُس کے پاؤں میں اک زخم کا نشان بھی تھا
 اک نسل میرے سامنے ہے کیا جواب دوں
 ٹوٹے ہوئے مکانوں کی تعمیر رہ گئی
 تم مصلحت پسند تھے سمجھوتہ کر لئے
 شاید میں دشمنی کے بھی قابل نہیں رہا



تم اک لکیر کھینچ کے ہی مطمئن رہے
حدِ تعینات سے آگے نہ گئے

اے دوست! کئی بار یہاں ٹوٹ چکا ہوں
تب جا کے ترے شہر میں آئینہ بنا ہوں

ان تازہ اُجالوں کی ہو تقسیم برابر
اس دن کے لئے میں بھی اندھیروں میں رہا ہوں

کیا بات ہے نظروں کو تشفی نہیں ہوتی
حالانکہ میں برسوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں

اب کے برس جب آئیں تو اس طرح آئیے
میری زمیں پہ اپنا بھی اک گھر بنا لئیے

شہر کو چھوڑ کے ہی تم کو اگر جانا تھا
میری آنکھوں میں نہ اس طرح اُتر جانا تھا



تمام عمر دیا جس کو میں نے درسِ جنوں
وہ آج میرے مقابل ہے کیا کیا جائے



فصلِ شہر کو جب تک گرا نہیں دیں گے
ہمیں یہ لوگ کبھی راستہ نہیں دیں گے

تمام عمر جو چہرے کو اپنے پڑھ نہ سکا
ہم اُس کے ہاتھوں میں اب آئینہ نہیں دیں گے

توفیق نہ ہو جب رشتوں کو سمجھنے کی
بھنگی ہوئی پلکوں کو مصروفِ دعا رکھنا

اس طرح دوستی کا اثر چھوڑ جاؤں گا
چہرے پہ تیرے عکسِ نظر چھوڑ جاؤں گا

ماتھے کا زخیم تجھ کو دلائے گا میری یاد
آئینہ تیرے گھر میں اگر چھوڑ جاؤں گا

تجھ سے پچھڑ کے پھر کبھی رونا اگر پڑا
دامن میں تیرے دیدہ تر چھوڑ جاؤں گا

فردوس یہ داماں سہی یہ سارے محلے
کب تیری گلی چھوڑ کے جانے کے لئے ہے

آئینہ پانی سے گھبرا کر نہ کر ترک سفر
 پاؤں جب دہلیز پر ہوں گے تو انگلیں آگے گا
 بدن ہمارے شہیدوں کا ڈھانپنے کے لئے
 وطن کی خاک سے بڑھ کر کوئی لباس نہیں
 خوں بہا مانگنا چاہیں بھی تو کس سے مانگیں
 شہر کا شہر ہے قاتل کے طرفداروں میں
 ابھی ابھی تو ستاروں نے آنکھ کھولی ہے
 ابھی سے اٹھ کے شجارد غریب خانے سے
 سنا ہے آپ کے دامن میں پھول کھلتے ہیں
 کبھی کبھی مری پلکوں کے بھیگ جانے سے
 بساطِ گل ہو یا دامنِ صحرا
 جنوں کا قافلہ چلتا رہے گا
 دیارِ دل میں آپ آئیں نہ آئیں
 چراغِ آرزو جلتا رہے گا



پیار خوشبو کا سفر ہے چل رہا ہوں صبح و شام
 اک نہ اک دن راہ میں تیرا بھی گھر آجائے گا
 نیند اپنی چھوڑ کر خوابوں کا بستر لے گیا
 کوئی گھر آ کر مرے، سب کچھ اٹھا کر لے گیا
 جس نے آہٹ بھی نہ چھوڑی اس کو اب ڈھونڈو کیا
 اپنی خوشبو تک وہ آئیل میں چھپا کر لے گیا
 کب مرا ٹوٹا ہوا گھر پھر مکاں ہو جائے گا
 کب رہیں یہ رہنے والا آسماں ہو جائے گا
 صبح آزادی، اجالوں کی فیمانت تھی مگر
 اس ادا سے روشنی آئی کہ بیتابی گئی
 تشنگی جب کبھی مئے خانے میں لے آتی ہے
 آپ کی پیاس مرے ہونٹوں پہ جم جاتی ہے
 آپ نے اتنے کچھ احسان کئے ہیں مجھ پر
 زندگی آنکھ ملاتے ہوئے شرماتی ہے

صدیوں کا یہ جھگڑا ہے آپس میں ملا دیجے
بارش کا ہواؤں سے سمجھوتہ کرا دیجے

میں آپ کی چو کھٹ پہ اک پیل بھی نہ ٹھہروں گا
مجھ کو مرے ماضی سے اک بار ملا دیجے

تہذیبِ نظر مجھ کو ورثے میں ملی نہ
گستاخِ نظر ہوں تو محفل سے اکٹھا دیجے

نظر بچا کے مری چشمِ تر میں رہتی ہے
وہ ایک پیاس جو پہلی نظر میں رہتی ہے

ترے بدن کی تھک جو کسی بھی گل میں نہیں
کبھی کبھی وہ نسیمِ سحر میں رہتی ہے

تمام عسمر کٹی اپنی وضعِ داری میں
انا تو صرف فقیروں کے گھر میں رہتی ہے

مجھے تم سطحِ دریا پر نہ ڈھونڈو
بہت اونچی چٹانوں سے گرا ہوں



جہاں چھوڑا تھا مجھ کو زندگی نے
ابھی تک اُس دورِ اہلے پر کھڑا ہوں

مصلحت کو چھوڑئے گھر کی حفاظت کیجئے
چھت گری ہے آج تو دیواریں کل گر جائیں گی

خدا کرے کہ وہ جیب تک بھی محوِ خواب رہے
ہمیشہ ہاتھوں میں اُس کے مری کتاب رہے

کیا جانے اب کے رُت یہاں کیا کام کر گئی
چادر نئی بہار کے سر سے اتر سگئی

خیموں کو اپنے چھوڑ کے سب اپنے گھر گئے
جب فصلِ گل کے جسم سے زیور اتر گئے

تو شبو سہاگ رات سنی جن سے تھی معتبر
وہ لمحے زندگی کے نہ جانے کدھر گئے

وہ شخص لے گیا مری آنکھوں کی روشنی
میں جس کو اپنے گھر کا اُجالا نہ دے سکا

بہت سے نام تو کتبوں کی بن گئے زینت
میں کس کا نام لکھوں راستے کے پتھر پر

تم اپنا ہاتھ ذرا سوچ کر بڑھا دینا
بہت سے ہاتھ کٹے ہیں دراز دستی میں

میں یہ کب کہتا ہوں اتنا بھی ستم کوش نہ ہو
اُدھی کچھ بھی ہو احسان فراموش نہ ہو

میرے حالات بڑے شوق سے لکھ سکتی
کوئی لمحہ مرے ماضی کا فراموش نہ ہو

میری نگاہ جلوہ طلب ہے تو کیا کروں
خود آپ نے دیا ہے شعورِ نظر مجھے

عجیب بات ہے دورِ حیدر کا اِن سال
نہ دوستی کے لئے ہے نہ دشمنی کے لئے

خوشیوں سے پہاڑاں درِ زنداں یہ کھڑی ہے
میں ہوں کہ مرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

یارب! دیارِ غم میں آوارہ گر پھروں
 مٹی مرے وطن کی مرے ہاتھ میں رہے
 اتنے لگے ہیں زخم کہ دل بولتا نہیں
 آئینہ اپنا بھید کبھی کھولتا نہیں
 جانا تھا جن کو جا چکے میدان چھوڑ کر
 ہم جیسے سرفروش ہی لشکر میں رہ گئے
 کیا شہر تھا کس طرح سے برباد ہوا ہے
 قاتل کے سوا شہر میں اب کون بچا ہے
 رات بھر لڑتا رہا نہ سیر! اُجالوں کے لئے
 صبح لے آئے ہو تم دستار، سر جانے کے بعد
 اس فصلِ گل کا ایسا ہی اک حادثہ ہوں میں
 پھولوں کی پتیوں سے بھی کٹنے لگا ہوں میں
 کب تک رکھو گے مجھ کو اندھیروں میں دوستو
 بریںوں تمہارے شہر میں جلتا رہا، ہوں ہیں